فہرست مضامین ایمانِ خالص (دوسری قسط)

	صفحہ
ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء	1
بخاری کا ردّ اور عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ اور عمر بن الخطابؓ کا واقعہ	5
اِنّہٗ بقی لک عمر لم تستکملہٗ فلو استکملت اتیت منزلک	6
شہداء کا مقام اور زندگی	7
اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ	8
شریعت جعفریہ کا عقیدہ	9
عرضِ اعمال علی رسول اللہ	10
اعادۃ الروح فی القبر کا عقیدہ اور اس کا رد	11
اِنّ لِلّٰہ ملائکۃ سیاحین	14
ردّ اللہ علیّ روحی	16
من صلّی علّی عند قبری	17
قلیبِ بدر کا واقعہ	18
وفاتِ نبوی ﷺ	20
قرع النعال	22
امام احمد بن حنبل کا عقیدہ	23
امام ابوحنیفہؒ کا عقیدہ	24
ابن تیمیہ کا عقیدہ	26،25
مُردوں پر زندوں کے اعمال کا پیش کیا جانا	27,26
ابن کثیر کا عقیدہ	27
ابن قیم اور ابن عبدالبر کا عقیدہ	28
بخاری کا ردّ	28
ابن کثیر کا ”یا“ سے استدلال	30.29
ابن تیمیہ کا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر فتویٰ	31,30

ہم اپنی کتابوں پر نہ تو کوئی قیمت وصول کرتے ہیں، اور نہ کسی پر ان کی طباعت و اشاعت کے سلسلہ میں پابندی لگاتے ہیں، خط لکھ کر ہم سے ہماری کتابیں مفت طلب فرمائیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَا دِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

امّابعد!

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر کہ آج اِس ملّت کے اندر عقیدہ کا مسئلہ عُلماء کے دو گروہوں کے درمیان اختلافی مسئلہ بنا ہوا ہے۔ایک گروہ کہتا ہے کہ ''رُوح'' نکل جانے کے بعد، سوال و جواب کے وقت قبر کے اندر مُردہ جسم میں واپس آجاتی ہے اور اِس طرح مرنے والا قبر میں پھر زندہ ہو جاتا ہے، آوازوں کو سنتا اور زائرین کو پہچانتا ہے، اُن کی آمد سے خوش ہوتا ہے۔سلام کا جواب دیتا ہے اور اُن کے لئے دُعائیں کرتا ہے۔بعض کا کہنا یہ بھی ہے کہ اپنے گھر والوں کے اعمال سے باخبر بھی رکھا جاتا ہے۔اُن کے اچھے کاموں پر مسرُور ہو کر اللہ سے اُن کیلئے استقامت اور برے کاموں پر اُن کے لئے ہدایت کی دُعا کرتا ہے۔عُلما کا یہ گروہِ عظیم اپنی اِس بات کے ثبوت کے لئے بہت سی روائتیں پیش کرتا ہے جن میں اس کی سب سے مضبوط روایت یہ ہے:

حدثنا عبداللہ حدثنی أبی ثنا
حسین بن علی الجعفی عن عبدالرحمن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن ابی اوس قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ
فاکثروا علی من الصلاۃ فیہ فان صلاتکم معروضۃ علی فقالوا یارسول اللہ وکیف تعرض علیک صلاتنا وقد
أرمت یعنی وقد بلیت قال ان اللہ عزوجل حرم علی الارض أن تأکل أجساد الأنبیاء صلوات اللہ علیھم

ترجمہ: امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں کہ ہم سے روایت بیان کی حسین بن علی الجعفی نے اور اُنھوں نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے اور اُنھوں نے ابوالاشعث الصنعانی سے اور اُنھوں نے اوس بن ابی اوس ؓ سے۔اُنھوں نے کہا کہ رسُول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے دنوں میں افضل دن جُمعہ کا دن ہے کیونکہ اُسی دن آدم پیدا کئے گئے اور اُسی روز اُن کی وفات ہُوئی اور اُسی روز **النفخۃ** اور **الصعقۃ** ہوگا۔پس اس دن مجھ پر کثرت کے ساتھ دُرود پڑھو۔حقیقی بات یہ ہے کہ تمہارا درُود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔صحابہؓ نے کہا کہ ہمارا درُود اس وقت کیسے پیش کیا جائے گا جب آپ کا جسم ریزہ ریزہ ہو گیا ہو گا، یعنی وفات کے بعد بوسیدہ ہو چکا ہو گا۔فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیھم الصلوٰت کے جسموں کو کھائے۔(مسندِ احمد'جلد ٤،صفحہ ٨، ابو دائود، جلد ١،صفحہ ١٥٠، نسائی، جلد ١،صفحہ ١٥٤)

اس روایت کے پیش کرنے کے بعد یہ عُلماء کہتے ہیں کہ یہ بالکل صحیح روایت ہے کیونکہ حسین بن علی الجعفی، عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر اور ابوالاشعث الصنعانی ثقہ راوی ہیں۔اوس بن ابی اوس ؓ کا پوچھنا ہی کیا، وہ تو صحابی ہیں۔ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ کی ''رُوح'' آپؐ کے جسدِ مُبارک میں واپس آ گئی ہے اور آپ کو پھر سے حیات مل گئی ہے ورنہ دُرود کے پیش کئے جانے کا مقصد فوت ہو جائے گا۔اس طرح سے یہ روایت تین باتوں کو واضح طور پر بیان کرتی ہے:

١۔ "جسدِ" مُبارک کا اپنی دُنیاوی حالت پر برقرار رہنا۔

٢۔ ''رُوح'' کا واپس آ جانا اور قیامت تک کے لئے آپؐ کا مدینہ والی قبر میں زندہ رہنا۔

۳۔"درُود" کے اعمال کا پیش کیا جانا خاص طور پر جُمعہ کے دن۔ اور اعمال کے پیش کئے جانے سے کوئی فائدہ نہیں اگر حیات اور شعُور نہ ہو۔

کہا جاتا ہے کہ علماء کے اس گروہ میں سلف کے بڑے بڑے آئمہ حضرات مثلاً امام احمد بن حنبل، امام ابن تیمیہ، ابن قیّم، ابن کثیر، اور ابن حجر عسقلانی وغیرہ شامل ہیں۔

دُوسرا گروہِ علماء جو موت کے بعد قیامت سے پہلے دُنیاوی حیات اور سماع کا انکاری ہے کہتا ہے کہ یہ روایت نہ تو قرآن کے مطابق ہی ہے اور نہ صحیح حدیث کے۔ خود یہ روایت بھی صحیح نہیں بلکہ منکر روایت ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ ہر جگہ یہی فرماتا ہے کہ مرنے کے بعد کسی فردِ بشر میں جان کی رمق تک باقی نہیں رہتی۔ اس میں یہ شعُور کہاں کہ دُنیا والوں کی باتوں کا اِدراک کر سکے۔ اپنی بات کو واضح کرنے کے لئے وہ قرآن کی اِس آیت کو پیش کرتے ہیں:

والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون۔ (سورۃ النحل، آیات ۲۱-۲۰)

ترجمہ: اور اللہ کے علاوہ، وہ دُوسری ہستیاں جن کو لوگ (حاجت روائی کے لئے) پکارتے ہیں وہ کسی چیز کے بھی خالق نہیں ہیں بلکہ خود مخلوق ہیں۔ موت کے بعد وہ بالکل مُردہ ہیں اُن میں جان کی رمق تک باقی نہیں ہے۔ اُنہیں اپنے متعلق بھی یہ تک معلوم نہیں کہ وہ کب (دوبارہ زندہ کرکے) اُٹھائے جائیں گے۔

اِس ارشاد میں کسی کا کوئی استثنیٰ نہیں، نہ انبیاء کا اور نہ اولیاء کا۔ اور جب وفات کے بعد کسی میں بھی جان کی ایک رمق تک باقی نہیں رہتی پھر حیات، سماع اور عرضِ اعمال کا اثبات کیسا۔ کتنے انبیاء ایسے ہیں جن کو حاجت روائی، اور مشکل کُشائی کے لیے پکارا گیا ہے اگر انبیاء کی کوئی خصوصیت ہوتی تو اللہ تعالیٰ ضرور اُس کو بیان کر دیتا اور اس طرح عام اعلان نہ کرتا کہ کسی مرنے والے میں بھی جان کی رمق تک باقی نہیں رہتی۔

قرآن کی اِن آیات کے مقابلہ میں ایک ایسی روایت کو پیش کرنا جو کہ ضعیف ہی نہیں بلکہ مُنکر روایت ہے مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ اِس روایت کو جسے ایک عظیم گروہِ عُلماء نے صحیح سمجھ لیا ہے وہ دراصل اس کے ظاہر سے دھوکہ کھا گئے وہ یہ سمجھے کہ حسین بن علی الجعفی نے جو عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر کا نام لیا ہے وہ درست ہے اور چونکہ یہ راوی ثقہ ہے اس لئے حدیث بھی صحیح ہے۔ بھلا ہو امام بُخاری کا کہ انہوں نے سب سے پہلے خبردار کیا کہ قرآن کے خلاف بیان کی جانے والی اس روایت میں ثقہ راوی عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر نہیں بلکہ عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم ہے جو مُنکر الحدیث ہے۔ حسین بن علی الجعفی سے بھُول ہوگئی ہے اور وہ عبدالرحمٰن کے دادا کا نام تمیم کی بجائے جابر بیان کر گئے۔ امام بخاری اس بات کے بیان کے لئے التاریخ الکبیر اور التاریخ الصغیر میں حسبِ ذیل مضمون لائے ہیں۔

عبد الرحمن بن يزيد بن تميم السلمى الشامى عن مكحول سمع منه الوليد بن مسلم ' عنده مناكير ' و يقال هو الذى روى عنه اهل الكوفة ابو أسامة و حسين فقالوا : عبد الرحمن بن يزيد ابن جابر -

(فوٹو: التاریخ الکبیر، قسم ۱، جلد ۳، صفحہ ۳۶۵، مصنفہ امام بخاری)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم السلمی الشامی نے مکحول سے روایت کی ہے اور اس سے سُنا الولید بن مُسلم

نے۔ اس کی روایتوں میں منکر روایتیں پائی جاتی ہیں۔کہا جاتا ہے کہ یہی وہ شخص ہے جس سے اہلِ کُوفہ،ابواُسامہ اور حسین (بن علی الجعفی) نے روایتیں بیان کی ہیں اور اُس کا نام عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم لینے کی بجائے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر کہہ گئے ہیں۔

امام بخاری اپنی رجال کی دُوسری کتاب **التاریخ الصغیر** میں اس بات کو یوں لائے ہیں:

قال الولید کان بعدالرحمٰن، کتاب سمعه، وکتاب اُخرلم یسمعه، واما اهل الکوفة، فرودا عن عبدالرحمٰن بن جابر، وهوابن یزید بن تمیم، لیس بابن جابر، وابن تمیم، منکر الحدیث، (التاریخ الصغیر،صفحه ۱۷۵ ،مطبوعه المکتبه الاثریه،مصنّفه امام بخاری)

ترجمہ:الولید نے کہا کہ عبدالرحمٰن (بن یزید بن جابر) کی ایک کتاب تھی جس کو انہوں نے سُن کر لکھا تھا اور ایک دُوسری کتاب تھی جس کی روایتوں کو انہوں نے خود نہیں سُنا تھا۔ ولیکن اہلِ کُوفہ (ابواُسامہ اور حسین بن علی الجعفی) نے اپنی روایتوں میں عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر کہا ہے حالانکہ جس سے انہوں نے سُن کر روایتیں کی ہیں وہ (عبدالرحمٰن)ابن یزید بن تمیم تھا۔عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر نہیں تھا۔اور ابن تمیم والا عبدالرحمٰن منکر الحدیث ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ حسین بن علی الجعفی کے ساتھی ابواُسامہ (حماد بن اُسامہ) نے دیدہ ودانستہ تغافل برتا ہے یہ جانتے ہُوئے کہ جس سے وہ روایت کر رہا ہے وہ عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر نہیں بلکہ عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم ہے۔

قال یعقوب وکانی رأیت ابن نمیر یتهم ابا سامة انه علم ذالك وتغافل۔ (تهذیب التهذیب، جلد ٦ ،صفحه ٢٩٦ ـ ٢٩٥ ،ترجمه عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم)

یہی ابواُسامہ وہ راوی ہے جس سے امام احمد نے حدثنا کہہ کر یہ روایت بیان کی ہے کہ عائشہؓ کے حجرہ میں جب سے عمر بن خطابؓ دفن کئے گئے اُس وقت سے عائشہؓ پوری طرح سر ڈھانپ کر جاتی تھیں کیونکہ عمرؓ جو اُن کے محرم نہ تھے اُن سے انہیں شرم آتی تھی۔اس روایت کو بھی حیات فی القبر کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

ہر چند کہ امام بخاری نے ہوشیار کر دیا کہ حسین بن علی الجعفی کی اس بھول نے منکر روایت کو صحیح بنا دیا ہے مگر لوگوں کی طرف سے اس بات کو قبولیت کا شرف عطا نہ کیا گیا۔

امام بُخاری کا منکر الحدیث کی روایت کے متعلق فیصلہ یہ ہے کہ منکر الحدیث کی روایت بیان کرنا بھی جائز نہیں ہے:

قال الذهبی : قال البخاري: من قلت فیه منکر الحدیث فلا تحل روایة حدیثه۔ (سلسلته الاحادیث الضعیفه و الموضوعه،صفحه۲۱۷ ، ناصر الدین الالبانی)

ترجمہ: الذہبی کہتے ہیں کہ البخاری کا قول ہے کہ جس کے بارے میں یہ کہوں کہ وہ "منکر الحدیث" ہے اُس کی روایت بیان کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

بہر حال امام بخاری نے ثابت کر دیا کہ وہ روایت جس میں **ان اللّٰہ حرّم علی الا**

ارض ان تاکل اجساد الانبیاءِ (اللہ نے زمین پرحرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے)والی روایت صحیح نہیں بلکہ منکر روایت ہے اور منکر روایت کا بیان کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ یہی بات امام رازی نے اپنی کتاب ''علل الحدیث'' میں لکھی ہے۔

٦٠. سمعت أبي يقول عبد الرحمن بن يزيد بن جابر لا أعلم أحداً من أهل العراق يحدّث عنه والذي عندي أن الذي يروي عنه أبو أسامة وحسين الجعفي واحدٌ وهو عبد الرحمن بن يزيد بن تميم لأن أبا أسامة روى عن عبد الرحمن بن يزيد عن القسم عن أبي أمامة خمسة أحاديث أو ستة أحاديث منكرة لا يحتمل أن يحدث عبد الرحمن ابن يزيد بن جابر مثله ولا أعلم أحداً من أهل الشام روى عن ابن جابر من هذه الاحاديث شيئاً. وأما حسين الجعفي فانه روى عن عبد الرحمن بن يزيد بن جابر عن أبي الاشعث عن أوس بن أوس عن النبي ﷺ في يوم الجمعة أنه قال «أفضل الايام يوم الجمعة فيه الصعقة وفيه النفخة وفيه كذا» وهو حديث منكر لا أعلم أحداً رواه غير حسين الجعفي. وأما عبد الرحمن بن يزيد بن تميم فهو ضعيف الحديث وعبد الرحمن بن يزيد بن جابر ثقة

(فو ٹو:علل الحدیث صفحہ ۱۹۷ جلد ۱، مصنّفہ عبد الرحمٰن بن ابی حاتم الرازی)

ترجمہ:عبدالرحمٰن رازی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ مجھے علم نہیں کہ عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے کسی عراقی نے حدیث روایت کی ہے اور میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ ابواُسامہ اور حسین الجعفی (کوفی'عراقی) نے جس سے روایت کی ہے وہ ایک ہی شخص عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم ہے کیونکہ ابو اسامہ نے عبدالرحمٰن بن یزید عن القسم عن ابی اُمامہ کی سند سے پانچ یا چھ منکر روایتیں بیان کی ہیں جو عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر جیسا (ثقہ) راوی بیان ہی نہیں کرسکتا۔اور مجھے معلوم نہیں کہ عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے کسی شامی راوی نے اِن منکر روایات میں سے کچھ بھی بیان کیا ہے۔اور یہ جو حسین بن علی الجعفی نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے اور اُنہوں نے ابوالاشعث الصنعانی سے اور انہوں نے اوس بن اوسؓ اور انہوں نے نبی ﷺ سے جمعہ کے بارے میں یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے اور اسی روز صعقہ اور نفخہ اور یہ اور یہ ہوگا۔ یہ روایت منکر ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ حسین الجعفی کے علاوہ کسی اور نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔ رہا عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم تو وہ ضعیف الحدیث ہے اور عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ثقہ ہے۔

بخاری کی مختصر بات کو رازی نے کھول کر بیان کر دیا اور ساتھ ساتھ "الجرح والتعدیل" میں یہی بات یوں لائے:

فالذی یحدث عنه ابو اسامة لیس هو ابن جابر هو عبد الرحمن بن یزید بن تمیم . نا عبد الرحمن قال سألت ابی عن عبد الرحمن بن یزید بن تمیم فقال: عنده مناکیر ، یقال هو الذی روی منه ابو اسامة وحسین الجعفی وقالا (٥) هو [ابن - ٦] یزید بن جابر وغلطا فی نسبه ، ویزید بن تمیم ، اصح وهو ضعیف الحدیث . نا عبدالرحمن قال سألت ابا زرعة عن عبد الرحمن بن یزید بن تمیم فقال: ضعیف الحدیث .

(فوٹو: کتاب الجرح و التعدیل للرازی،جلد٥،صفحہ ۳۰۱ـ۳۰۰)

ترجمہ: پس وہ راوی جس سے ابواسامہ نے روایت کی تھی ابن جابر (عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر) نہیں بلکہ وہ عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم ہے۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم کے بارے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اُس کی بہت سی منکر روایات ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہی وہ راوی ہیں جس سے ابواسامہ اور حسین الجعفی نے روایتیں بیان کی ہیں اور وہ دونوں یہ کہہ گئے کہ وہ ابن یزید بن جابر ہے۔ ان دونوں نے اُس کے (عبدالرحمٰن کے) نسب میں غلطی کی، (یزید ابن جابر کے بجائے) یزید بن تمیم زیادہ صحیح ہے اور وہ (ابن تمیم) ضعیف الحدیث ہے۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں نے ابوزرعۃ سے عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اُسے ضعیف الحدیث کہا۔

رہے امام بخاری تو انہوں نے صرف یہی نہیں کہ اس روایت کو "منکر" ثابت کیا ہے بلکہ اس روایت سے انبیاء علیہ السلام کی یہ خصوصیت نکلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ ان کے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی۔ امام بخاری نے ثابت کیا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ عبداللہ بن عمرو بن حرام شہیدِ اُحد اور عمر بن خطابؓ کے جسم چھ مہینے اور ۶۳ سال کے بعد صحیح وسالم پائے گئے اور دیکھنے والوں نے اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھا، لیکن ان میں حیات کا شائبہ تک نہ تھا ورنہ وہ دوبارہ دفن نہ کیے جاتے۔

عبد اللہ بن عمروبن حرامؓ کا جسم

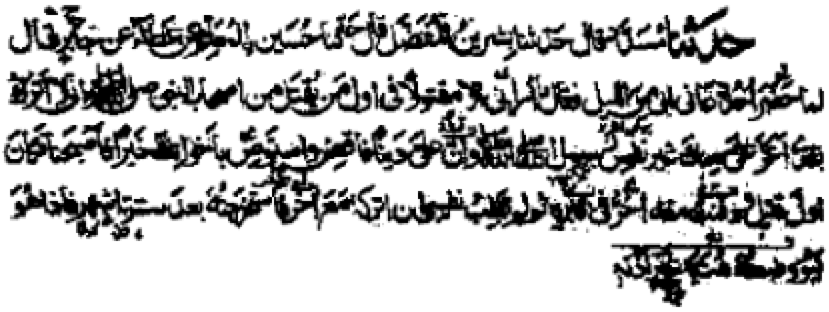

(فوٹو: صحیح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۱۸۰، مطبوعہ دھلی)

ترجمہ: جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ جب جنگِ اُحد کا موقع آیا تو میرے باپ (عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ) نے مجھے رات اپنے پاس بلایا اور کہا کہ مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ میں نبی ﷺ کے اُن صحابیوں میں شامل ہونگا جو سب سے پہلے شہید ہوں گے اور نبی ﷺ کے بعد تم ہی مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو جس کو میں پیچھے چھوڑوں گا۔ مجھ پر قرض ہے اس کو ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کا خیال رکھنا۔ پھر ہم نے صبح کی اور وہ پہلے شہید تھے۔ اُن کے ساتھ ایک اور صاحب کو بھی ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا لیکن مجھ کو اچھا نہ لگا کہ وہ ایک قبر میں دُوسرے کے ساتھ دفن رہیں۔ میں نے انہیں چھ مہینے بعد اس قبر سے نکالا (اور دوسری جگہ دفن کیا) میں نے دیکھا کہ وہ بالکل اسی طرح تھے جیسے انہیں دفن کیا گیا تھا صرف ایک کان میں معمولی سا تغیر آیا تھا۔

عُمر بن خطّابؓ کا جسم

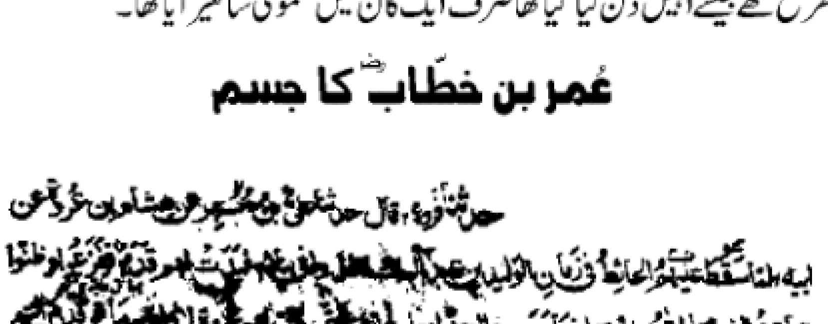

(فوٹو: صحیح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۱۸۶، مطبوعہ دھلی)

ترجمہ:۔ ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ولید بن عبدالملک کے زمانہ (۸۷ھ) میں

(حجرہ عائشہ) کی دیوار گر گئی اور اُس کی تعمیر شروع کی گئی تو ایک پیر کھل گیا اور لوگوں پر خوف طاری ہو گیا۔انہوں نے گمان کیا کہ وہ نبی ﷺ کا پیر ہے۔کوئی عالم ایسا نہ مل سکا جو اس پیر کے بارے میں انہیں صحیح رائے دے سکتا۔ یہاں تک کہ عروہ بن الزبیرؒ نے کہا کہ نہیں۔ اللہ کی قسم، یہ نبی ﷺ کا پیر نہیں ہے بلکہ یہ عمر رضی اللہ عنہ کا پیر ہے۔

امام بخاری نے اس طرح ثابت کیا کہ جب انبیاء کے علاوہ غیر انبیاء کے جسم بھی صحیح و سالم ملے ہیں تو اس بات کو انبیاء کے جسموں کی خصوصیت بتانا درست نہیں۔ بات اتنی ہی نہیں کہ یہ منکر روایت صرف جسم کی حفاظت کا اِدّعا کرتی ہے بلکہ یہ تو اسی جسم میں رُوح کے لوٹائے جانے کے بعد حیاتِ دنیوی پر اصرار کر کے نبی ﷺ کو قبر کے اندر زندہ کر دکھاتی ہے۔امام بخاری اس بات کے رَد کے لئے حسبِ ذیل حدیث لا کر ثابت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنی قبر میں زندہ نہیں بلکہ جنت کے اعلیٰ ترین مقام پر زندہ ہیں۔اس طویل حدیث کا آخری حصّہ یہ ہے:

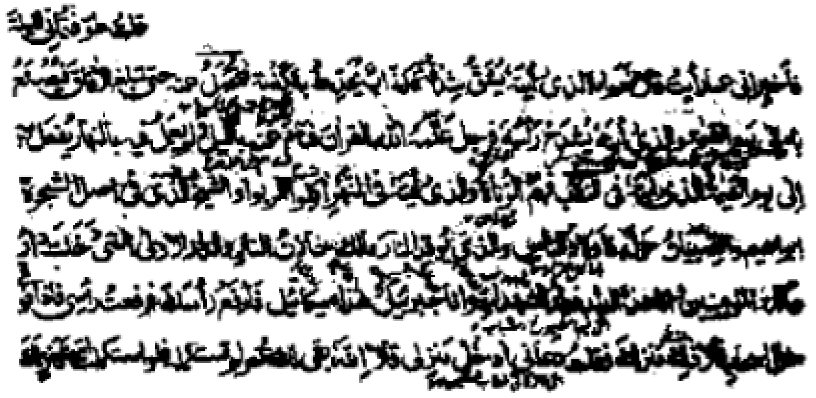

(فوٹو:صحیح بخاری،جلد ۱ ،صفحہ ۱۸۵ ،مطبوعہ دھلی)

ترجمہ: (نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ) میں نے کہا کہ تم دونوں مجھے رات بھر گھماتے پھراتے رہے۔اب بتاؤ کہ جو کچھ میں نے دیکھا وہ سب ہے کیا؟ دونوں نے کہا۔ بہتر۔ وہ شخص جس کو آپ نے دیکھا کہ اُس کے گال پھاڑے جا رہے ہیں وہ کذاب تھا۔ جھوٹی بات بیان کرتا تھا اور اس بات کو لوگ لے اُڑتے تھے یہاں تک کہ ہر طرف اس کا چرچا ہوتا تھا۔ تو اُس کے ساتھ جو آپ نے ہوتے دیکھا ہے وہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔ اور جس کو آپ نے دیکھا کہ اُس کا سَر کُچلا جا رہا ہے یہ وہ شخص تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا عِلم دیا تھا لیکن وہ راتوں کو قرآن سے غافل سوتا رہا اور دن کو اس کے مطابق عمل نہ کیا۔ یہ عمل قیامت تک اُس کے ساتھ ہوتا رہے گا اور جن کو آپؐ نے سوراخ میں دیکھا تھا وہ زناکار تھے۔ اور جس کو آپؐ نے دریا میں دیکھا وہ سُود خور تھا اور وہ شیخ جو درخت کے جڑ کی پاس تھے وہ ابراہیم علیہ السلام تھے اور بچے جو اُن کے اردگرد تھے وہ انسانوں کی اولاد تھے اور جو آگ بھڑکا رہے تھے وہ مالک داروغہ جہنم تھے اور جو پہلا گھر جس میں آپ داخل ہوئے تھے وہ عام مومنین کا تھا اور یہ گھر شہداء کے گھر ہیں اور میں جبرئیل ہوں اور یہ میرے ساتھی میکائیل ہیں۔ ذرا اپنا سر اوپر تو اٹھایئے۔ میں نے اپنا سر اُٹھایا تو میں نے اپنے سر کے اُوپر بادل سا دیکھا۔ ان دونوں نے کہا کہ آپ کا مقام ہے۔ میں (نبی ﷺ) نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو کہ اپنے کہ میں گھر میں داخل ہو جاؤں اُن دونوں نے کہا کہ ابھی آپ کی عمر کا کچھ حصہ باقی ہے جس کو آپ نے پُورا نہیں کیا ہے اگر آپ اُس کو پُورا کر لیں تو اپنے اس گھر میں آ جائیں گے۔ (صحیح بخاری، جلد ۱ ،صفحہ ۱۸۵ ،مطبوعہ دھلی)

اس طرح امام بخاری نے ثابت کر دکھایا کہ وفات کے بعد نبی ﷺ عائشہؓ کے حجرہ والی قبر میں نہیں بلکہ جنت کے سب سے اچھے گھر میں زندہ ہیں۔ عجیب بات ہے کہ حدیث کے اس آخری جُملہ کی

تشریح ابن حجر عسقلانی، مصنف **فتح الباری** کے مناسب نہ سمجھی۔

اس طرح شہداء بدر و اُحد اور بئر معونہ اولے اللہ کی کتاب کے بموجب جنت الفردوس میں اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور اللہ کی طرف سے انہیں رزق بھی عطا کیا جارہا ہے۔ ثبوت میں حسب ذیل حدیث لائے۔

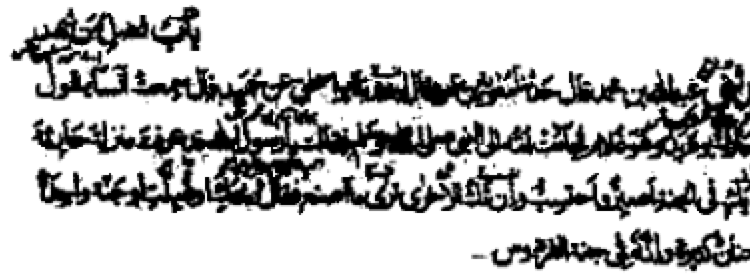

(فوٹو: الصحیح البخاری، جلد ۲، صفحہ ۵۶۷، مطبوعہ دھلی)

باب ۹ : غزوہ بدر کے شریک کی فضیلت

ترجمہ:...حُمید کہتے ہیں کہ میں نے انسؓ کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ حارثہؓ (ابن سُراقہ) جنگ بدر کے دن شہید ہو گئے اور وہ ابھی نوجوان تھے۔ اُن کی ماں نبی ﷺ کے پاس آئیں اور انہوں نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ حارثہ میرے لئے کیا تھا۔ اگر وہ جنت میں ہے تو صبر کروں گی اور ثواب جان کر اور اگر دوسری جگہ ہے تو آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ جنت ایک ہی ہے۔ جنتوں کی تعداد کی تو کثرت ہے اور تمہارا بیٹا (حارثہؓ) تو جنت الفردوس میں ہے۔

اب نبی ﷺ شہداء اور سارے انسان اگر رُوح کے پلٹ آنے کے بعد اپنی دُنیاوی قبروں میں زندہ ہیں تو جنت میں کیسے زندہ ہو سکتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ جنتوں میں زندگی کس جسم کے ساتھ ہے تو اس کی تفصیل امام مُسلم نے بیان کی ہے:

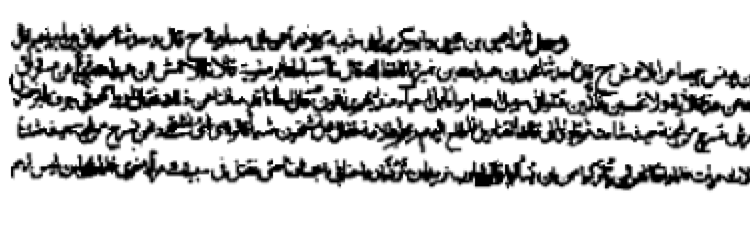

(فوٹو: صحیح مسلم، جلد ۲، صفحہ ۱۳۶ _ ۱۳۵، مطبوعہ دھلی)

ترجمہ:...مسروقؓ نے کہا کہ ہم نے عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن کی اس آیت **وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ** کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگوں نے اس آیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ شہداء کی روحیں سبز اُڑنے والے قالبوں میں ہیں اور اُن کے لئے قندیلیں عرش الٰہی سے لٹکی ہوئی ہیں۔ وہ جنت میں جہاں چاہے گھومتے پھرتے ہیں اور ان قندیلوں میں آکر بسیرا کرتے ہیں۔ ان کی طرف اُن کے رب نے جھانکا اور ارشاد فرمایا کہ کسی اور چیز کی تمہیں خواہش ہے؟ شہداء نے جواب دیا کہ اب ہم کس چیز کی خواہش کر سکتے ہیں جب ہمارا حال یہ ہے کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مزے کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح تین بار ان سے یہی دریافت کیا اور شہداء نے دیکھا کہ جب تک وہ کسی خواہش کا اظہار نہ کریں گے اُن کا رب اُن سے برابر پوچھتا رہے گا تو انہوں نے کہا کہ مالک ہماری تمنا یہ ہے کہ ہماری رُوحوں کو پھر ہمارے جسموں میں واپس لوٹا دیا جائے تا کہ ہم دوسری بار تیری راہ میں شہید کئے

جائیں۔ اب کہ مالک نے دیکھ لیا کہ اُنہیں کسی اور چیز کی خواہش نہیں ہے تو پھر اُن سے پوچھنا چھوڑ دیا۔

امام مسلم نے یہ حدیث لاکر بہت سی باتیں بیان کر دیں۔

۱۔ شہید کو نیا اڑنے والا جسم ملتا ہے جس میں اس کی روح ڈال دی جاتی ہے اور وہ اس جسم کے ساتھ جنت کے مزوں میں خوش وخرم رہتا ہے۔

۲۔ شہید کا مالک اپنے عرش کے اوپر سے اس پر التفات خسروانہ فرمانے کے بعد گفتگو بھی کرتا ہے اور اپنی خواہشات اور تمناؤں کے اظہار پر اصرار بھی۔ مگر جب وہ یہ آرزو کرتا ہے کہ اُس کی روح کو اُس کے دنیاوی جسم میں واپس لوٹا دیا جائے تا کہ وہ ایک بار پھر اُس کی راہ میں جہاد کر کے شہادت کی سعادت مندی حاصل کرے، تو اُس کا مالک اپنی سنت کو نہیں بدلتا اور اُس کی اِس خواہش کو بھی پورا نہیں کرتا جس کے اظہار کا خود اُس نے اس سے بار بار تقاضہ کیا تھا۔

۳۔ شہید جنت میں زندہ بھی ہے اور اپنے مالک کے پاس کھاتا پیتا بھی۔ بخاری اور مسلم کی اِن حدیثوں سے کیا یہ نہیں نکلتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے اعلیٰ ترین مقام پر سارے شہیدوں سے کہیں بلند و بالا بہترین برزخی جسم کے ساتھ زندہ ہیں اور شہداء بھی نئے جسموں کے ساتھ جنت میں خوش وخرم زندگی گزار رہے ہیں۔ آخر نبی ﷺ کے لئے حجرہ عائشہؓ والی قبر میں زندگی پر اصرار کیوں ہے؟

بخاری اپنی بات مزید تاکید کے لئے نبی ﷺ کی آخری دُعا یوں لائے ہیں:

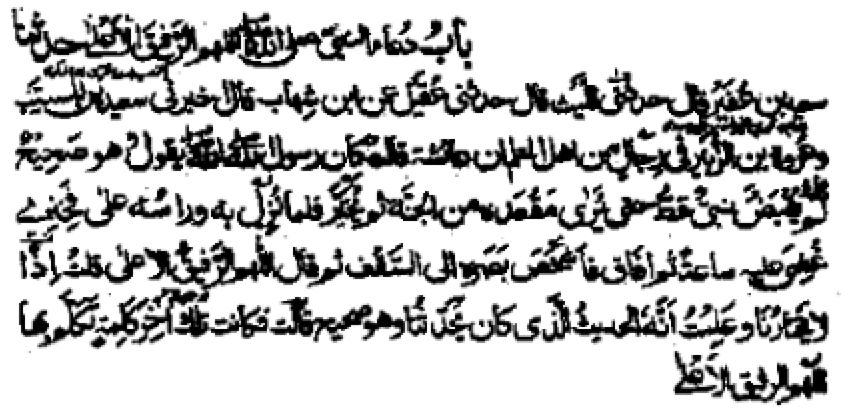

بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الأَعْلَى حَدَّثَنَا
سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ
وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فِي رِجَالٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ وَهُوَ صَحِيحٌ
لَنْ يُقْبَضَ نَبِيٌّ قَطُّ حَتَّى يَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرُ فَلَمَّا نَزَلَ بِهِ وَرَأْسُهُ عَلَى فَخِذِي
غُشِيَ عَلَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ أَفَاقَ فَأَشْخَصَ بَصَرَهُ إِلَى السَّقْفِ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الأَعْلَى قُلْتُ إِذًا
لاَ يَخْتَارُنَا وَعَلِمْتُ أَنَّهُ الْحَدِيثُ الَّذِي كَانَ يُحَدِّثُنَا وَهُوَ صَحِيحٌ قَالَتْ فَكَانَتْ تِلْكَ آخِرَ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا
اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الأَعْلَى

(صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۹۳۹، مطبوعہ دھلی)

...سعید بن مسیبؒ اور عروۃ بن الزبیرؒ اور بہت سے اہل علم بیان کرتے ہیں کہ عائشہؓ نے کہا کہ رسول ﷺ تندرستی کے زمانے میں فرمایا کرتے تھے کہ کسی نبی کو بھی وفات نہیں دی جاتی جب تک اسے جنت میں اس کا مقام دکھا نہیں دیا جاتا۔ مقام دکھا دیئے جانے کے بعد اس کو انتخاب کا موقع دیا جاتا ہے (کہ چاہے تو دنیا میں رہے اور چاہے تو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ترجیح دے) پس جب آپؐ کا آخری وقت آیا اور اس حال میں آپؐ کا سر میرے زانو پر تھا آپؐ کو تھوڑی دیر کے لیے غش آگیا۔ پھر آپؐ ہوش میں آئے اور نگاہیں اُوپر چھت کی طرف گاڑ دیں اور کہا اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقُ الْاَعْلیٰ (اے مالک الرفیق الاعلیٰ) پس میں نے کہا یہ کہنے کے بعد اب آپؐ ہم دنیا والوں (کی رفاقت) کو اختیار نہ کریں گے۔ میں نے جان لیا کہ جو بات آپ فرمایا کرتے تھے اُس کے صحیح ثابت ہونے کا وقت آگیا۔ عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول ﷺ کا آخری کلمہ جس کے بعد آپؐ نے کوئی بات نہ کی یہی کلمہ اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقُ الْاَعْلیٰ تھا۔

ان ساری حدیثوں نے بتا دیا کہ سچی بات یہ کہ جو شخص وفات پا جاتا ہے اُس کو حسبِ حیثیت ایک برزخی جسم ملتا ہے جس میں اُس کی روح کو ڈال دیا جاتا ہے اور اِس جسم اور رُوح کے مجموعہ پر سوال و

جواب اور عذاب وثواب کے سارے حالات گزرتے ہیں۔ اور یہی اصلی قبر بنتی ہے۔

قرآن اور صحیح احادیث کا بیان تو یہ ہے مگر کچھ دوسرے حضرات اس بات پر مصر ہے کہ نہیں ہر مرنے والے کی رُوح اِسی دنیاوی جسم میں لوٹا دی جاتی ہے اور یہی جسم قبر میں پھر زندہ ہو جاتا ہے اور برابر زندہ رہتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ مُردہ کا جسم ریزہ ریزہ ہو جائے یا آگ اُسے جلا کر خاکستر کر دے تو دونوں کانوں کے درمیان گُرز کیسے مارا جائے گا اور عذاب اور نعیم کا دور کس پر اور کس طرح گزرے گا؟ تو اللہ کی قدرت اور "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" کا سہارا لیا جاتا ہے۔ سبحان اللہ۔ اللہ کی قدرت سے کس کو انکار ہے لیکن قدرت کے ساتھ ساتھ اللہ کی ایک نہ بدلنے والی سنت بھی تو ہے۔ اس کو نظر انداز کرنا بھی تو اچھا نہیں ہے۔

اِن سارے دلائل کے باوجود اِس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نبی ﷺ کی قبر میں حیات کا اثبات کرنے والی صریح روایتیں مذہبِ جعفرافیہ میں ضرور موجود ہیں اور عجب نہیں کہ وہیں سے آ کر یہ احادیث کی کتابوں میں بار پا گئی ہوں۔ مثلاً یہ روایت:

﴿ باب ﴾

☆(النهي عن الاشراف على قبر النبي صلى الله عليه وآله)☆

١ ـ عدة من أصحابنا، عن أحمد بن محمد البرقي، عن جعفر بن المثنى الخطيب قال: كنت بالمدينة وسقف المسجد الذي يشرف على القبر قد سقط والفعلة يصعدون وينزلون ونحن جماعة، فقلت لأصحابنا: من منكم له موعد يدخل على أبي عبد الله عليه السلام الليلة؟ فقال مهران بن أبي نصر: أنا، وقال إسماعيل بن عمار الصيرفي: أنا، فقلنا لهما: سلاه لنا عن الصعود لنشرف على قبر النبي ﷺ، فلما كان من الغد لقيناهما، فاجتمعنا جميعاً، فقال إسماعيل: قد سألناه لكم عما ذكرتم، فقال: ما أحب لأحد منهم أن يعلو فوقه ولا آمنه أن يرى شيئاً يذهب منه بصره، أو يراه قائماً يصلي، أو يراه مع بعض أزواجه ﷺ.(١)

(فوٹو: کتاب الحجۃ، جلد ۱، صفحہ ۴۵۲، اُصول کافی، مصنفہ: کلینی)

باب: نبی ﷺ کی قبر کے اُوپر چڑھ کر جھانکنے سے منع کیا جانا

ترجمہ: باب "نبی ﷺ کی قبر کے اُوپر چڑھ کر جھانکنے سے منع کیا جانا" جعفر بن المثنّٰی الخطیب فرماتے ہیں کہ میں مدینے میں تھا جب نبی ﷺ کی قبر کے اُوپر والی چھت گر گئی۔ چھت پر کام کرنے والے چڑھ اتر رہے تھے اور ہم لوگوں کی ایک جماعت وہاں موجود تھی۔ پس میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کون ہے جو آج رات ابو عبداللہ (امام جعفر صادق) علیہ اسلام کے پاس جائے گا۔ مہران بن ابی نصر نے کہا کہ میں، اور اسماعیل بن عمار الصیر فی نے کہا کہ میں۔ پس ہم لوگوں نے ان دونوں سے کہا کہ آپ اُن (امام جعفر صادق) سے دریافت کیجیے کہ ہمارے لیے اُوپر چڑھ کر نبی ﷺ کی قبر پر جھانکنا کیسا ہے۔ دوسرے روز جب لوگوں نے ان دو حضرات سے ملاقات کی اور اُن کے ساتھ جماعت کی شکل میں مل بیٹھے تو اسماعیل نے کہا ہم نے حضرت سے اس بات کے بارے میں پوچھ لیا جس کا آپ لوگوں نے ذکر کیا تھا۔ امام نے ارشاد فرمایا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ ان لوگوں میں سے کوئی اوپر چڑھے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسی چیز پر اُس کی نظر نہ پڑ جائے جو اس کی آنکھوں کو اندھا کر دے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ آپؐ کو کھڑے ہوئے نماز پڑھتے دیکھے یا آپؐ کو اپنی بعض ازواج کے ساتھ پائے۔

(کتاب الحجۃ، جلد ۱، اصول کافی، صفحہ ۴۵۲، مصنفہ کلینی)

حرّم اللّٰه علی الارض کی اس روایت میں جس کو امام بخاری منکر گردانتے ہیں

ایک بات اور بھی ہے اور وہ یہ کہ **دُرود** کے اعمال جمعہ کے دن نبیؐ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اس بارے میں بھی یہی گروہ جو نبیؐ کو قبر میں زندہ نہیں مانتا کہتا ہے کہ قران میں تو ہر جگہ ایک ہی بات آئی ہے اور وہ یہ کہ سارے کے سارے اعمال چاہے وہ کسی انداز کے کیوں نہ ہوں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کئے جاتے ہیں اور قرآن نے ہر مقام پر حصر کے ساتھ بغیر کسی استثنا کے اس بات کو بیان کیا ہے:

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّه فَاعْبُدْه وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ط وَمَارَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّاتَعْمَلُوْنَ ع (سورة هود، آیت ۱۲۳)

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی چھپا ہوا ہے وہ سب اللہ کے قبضہء قدرت میں ہے اور ہر معاملہ اُسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے پس اے نبیؐ اُس کی بندگی کیجئے اور اُسی پر بھروسہ رکھیئے۔ جو کچھ تم کر رہے ہو، تیرا رب اس سے بے خبر نہیں۔

اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ع (سورة شورىٰ، آیت ۵۳)

ترجمہ: خبر دار رہو سارے معاملات اللہ ہی کی طرف پلٹتے ہیں۔

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ع (سورة البقرہ، آیت ۲۱۰) الِ عمران ۱۰۹، انفال ٤٤، الحج ٧٦، فاطر ٤، الحدید ٥۔

ترجمہ: اور صرف اللہ ہی کی طرف سارے معاملات لوٹائے جاتے ہیں۔

عجیب بات ہے کہ سارے اعمال کے پہنچنے کی جگہ تو ذاتِ الٰہی ٹھہرے مگر وہ دُرود جس کی ابتدا ہی اللہ کی طرف خطاب سے کی جارہی ہو **اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ** اُس کا رخ اللہ کی بجائے نبی ﷺ کی طرف موڑ دیا جائے۔ آخر یہ دُعا کا بھٹکانہیں تو اور کیا ہے۔

بخاریؒ نے اس بات کا بھی تعقب کیا ہے وہ حدیث لاکر ثابت کرتے ہیں کہ نبیؐ اور صالحین کے حق میں کی جانے والی دُعا اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو کر شرف قبولیت حاصل کرتی ہے اور اس کا ثواب اللہ کے ہر صالح بندے کو چاہے وہ آسمان میں ہو یا زمین میں پہنچ کے رہتا ہے۔

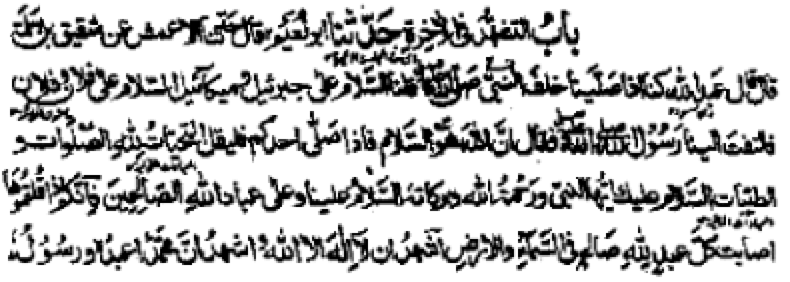
بابُ التشهد في الآخرة حدثنا ابو نعيم قال حدثنا الاعمش عن شقيق بن سلمة قال قال عبد الله كنا اذا صلينا خلف النبي صلى الله عليه وسلم قلنا السلام على جبريل وميكائيل السلام على فلان وفلان فالتفت الينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ان الله هو السلام فاذا صلى احدكم فليقل التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين فانكم اذا قلتموها اصابت كل عبد لله صالح في السماء والارض اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله

(فوٹو: صحيح بخاری، جلد ۱، صفحه ۱۱۵، مطبوعه دهلی)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ ہم لوگ جب نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو کہا کرتے تھے کہ جبریل و میکائیل پر سلام۔ فلاں اور فلاں پر سلام۔ ایک دن نبی ﷺ نے ہماری طرف رخ کیا اور فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سلامتی دینے والا ہے۔ اس لئے تم میں سے کوئی بھی پڑھے وہ کہے کہ ساری زبانی عبادتیں، ساری بدنی اور مالی عبادتیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو آپؐ پر اے نبی اور اس کی رحمتیں اور برکات آپ پر برسیں۔ اللہ کی سلامتی ہو ہم اور سارے نیکو کاروں پر۔ پس جب تم یہ کہو گے تو یہ کلمہ ہر صالح بندے کو پہنچ جائے گا، چاہے وہ آسمان میں ہو یا زمین میں۔ پھر **اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُه وَرَسُوْلُه** کہے۔ (صحيح بخاری، جلد ۱، صفحه ۱۱۵، مطبوعه دهلی)

اس طرح امام بخاریؒ نے یہ بتادیا کہ دُرود وسلام کی دعائیں نبی ﷺ پر براہِ راست پیش نہیں کی جاتیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوتی ہیں اور اُس کا ثواب ونفع سب کو پہنچ جاتا ہے۔ یہی مطلب ہے اُس عبادت کا جس میں دُرود کا پہنچنا آیا ہے۔

امام مسلم حدیث لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیر اور جمعرات کو دُنیا والوں کے سارے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور حیات فی القبر کے ماننے والے حضرات اعمال کے نبی ﷺ پر پیش کئے جانے کا دن جمعہ بتلاتے ہیں۔ اگر اعمال کے پیش کیے جانے کا مقام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے علاوہ کوئی اور جگہ بتائی جائے تو قران اور حدیث کے لحاظ سے کیا یہ ظلم عظیم نہ ٹھہرے گا۔ کیا قران کی محکم آیات اور صحیح احادیث کے مقابلہ میں ایک منکر روایت کے ذریعہ حیات فی القبر اور عرض اعمال کے عقیدہ کا اثبات ایک عجیب بات نہیں؟

امام بخاری کے ہم عقیدہ اس گروہ کے مقابلہ میں، امام احمد اور ابن تیمیہ کے عقائد کو صحیح ماننے والا گروہ کہتا ہے کہ اس دُنیاوی قبر میں حیات، سماع اور عرضِ اعمال کے ثبوت میں ہمارے پاس صرف یہی ایک روایت نہیں ہے بلکہ ہمارے حق میں بہت سی دلیلوں میں سے ایک دلیل یہ روایت بھی تو ہے:

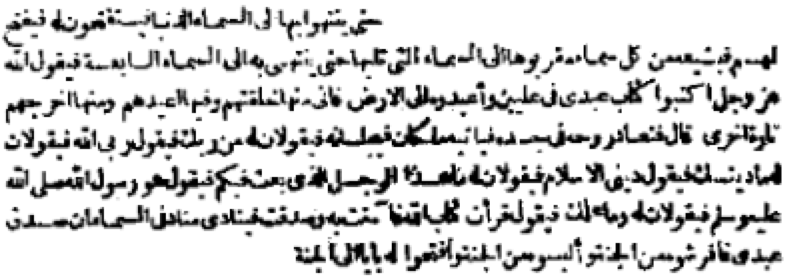
حتى ينتهوا بها الى السماء الدنيا فيستفتحون له فيفتح
لهم فيشيعه من كل سماء مقربوها الى السماء التي تليها حتى ينتهى به الى السماء السابعة فيقول الله
عز وجل اكتبوا كتاب عبدي في عليين واعيدوه الى الارض فاني منها خلقتهم وفيها اعيدهم ومنها اخرجهم
تارة اخرى قال فتعاد روحه في جسده فياتيه ملكان فيجلسانه فيقولان له من ربك فيقول ربي الله فيقولان
له ما دينك فيقول ديني الاسلام فيقولان له ما هذا الرجل الذي بعث فيكم فيقول هو رسول الله صلى الله
عليه وسلم فيقولان له وما علمك فيقول قرأت كتاب الله فآمنت به وصدقت فينادي مناد في السماء ان صدق
عبدي فافرشوه من الجنة والبسوه من الجنة وافتحوا له بابا الى الجنة

(فوٹو: مسند احمد، جلد ٤، صفحہ ٢٨٧)

ترجمہ: (مومن کی رُوح نکال کر فرشتے آسمان کی طرف جاتے ہیں) یہاں تک کہ جب آسمانِ دُنیا تک پہنچتے ہیں تو اس رُوح کے لئے دروازے کھلواتے ہیں جو کھول دیئے جاتے ہیں اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک اس آسمان کے مقرب فرشتے اس رُوح کے جلُوس کے ساتھ جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ رُوح ساتویں آسمان تک پہنچ جاتی ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میرے اس بندہ کے اعمالنامہ کو علّیین میں لکھ دو اور اس کو واپس زمین کی طرف لوٹا دو، کیونکہ اُس کو میں نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ مٹی میں لوٹاؤں گا اور پھر مٹی ہی سے اس کو دُوسری بار پیدا کروں گا۔ پس اُس کی رُوح اُس کے جسد میں لوٹادی جاتی ہے۔ اور دو فرشتے آتے ہیں اور اُس کو بٹھا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے وہ کہتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے وہ جواب دیتا ہے کہ اسلام۔ پھر وہ دونوں اس سے پُوچھتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو تمہارے درمیان بھیجا گیا تھا، وہ جواب دیتا ہے کہ رسُول ﷺ ہیں۔ دونوں فرشتے کہتے ہیں کہ تم نے کیسے جانا۔ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب کو پڑھا اور اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ اس وقت آسمان سے ندا آتی ہے کہ میرے بندہ نے سچ کہا اس کے لئے جنت کے فرش بچھا دو، اور جنت کے لباس اس کو پہنا دو اور جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔

اس رویت کے بارے میں امام بخاریؒ کا ہم عقیدہ گروہ کہتا ہے کہ یہ روایت موضوع (گھڑی ہوئی) ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ قرآن کے صریح ارشادات سے ٹکراتی ہے۔ قرآن تو فرماتا ہے:-

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِيۡنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلۡنٰهُ نُطۡفَةً فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ ۖ ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَةَ مُضۡغَةً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوۡنَا

الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ؕ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ؕ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ○

(سورۃ المومنون، آیات ۱۲۔۱۶)

ترجمہ: ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا پھر ہم نے اُس کو ایک بوند کی شکل میں محفوظ ٹھکانے میں رکھا اور پھر اُس بوند کو جمے ہوئے خون کی پھٹکی ہم نے بنایا۔ اور اس پھٹکی کو گوشت کے لوتھڑے میں ہم نے تبدیل کیا۔ پھر اس لوتھڑے کو ہڈیوں کی شکل عطا کر کے ہم نے اِن ہڈیوں کو گوشت کا جامہ پہنایا اور آخر کار ہم نے اس کو ایک بالکل دوسری مخلوق کی شکل میں وجود بخشا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔ پھر اس (زندگی) کے بعد تمہیں موت آ کے رہے گی اور اس کے بعد قیامت کے دن تم پھر اٹھائے جاؤ گے۔

معلوم ہوا کہ ہر مرنے والے کو قیامت کے دن اُٹھایا جائے گا، پھر قیامت سے پہلے مرنے والا اس قبر کے اندر کیسے زندہ ہو گیا۔

دراصل قبر میں مُردہ کے جسم میں رُوح کے لوٹائے جانے کی روایت شریعتِ جعفریہ کی روایت ہے جو اس روایت کے راوی زاذان (شیعہ) نے وہاں سے لے کر براء بن عازبؓ سے منسوب کر دی ہے۔ اس کی سند دیکھئے تو اس کے اندر ضعفاء، مجروحین، متروکین اور شیعہ ملیں گے۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي ثنا أبو معاوية قال ثنا الاعمش عن منهال بن عمرو عن زاذان عن البراء بن عازب

(فوٹو: مسند احمد، جلد ٤، صفحہ ۲۸۷)

اس روایت کا راوی منہال بن عمرو اور اس پر جرح

امام رازی اپنی کتاب الجرح والتعدیل میں لکھتے ہیں:۔

ا۔شُعبہ نے منہال بن عمرو کو عمداً ترک کر دیا۔ ابو محمد کہتے ہیں اس لئے کہ اُن کے گھر سے گانے کی آواز سُنی۔

(الجرح و التعدیل، جلد ٤، قسم ۱، صفحہ ۳۵۷)

۲۔الذہبی اپنی کتاب میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں کہ حاکم کا کہنا ہے کہ منہال کی حیثیت یحیٰی بن سعید گراتے تھے۔ الجوز جانی نے اپنی کتاب الضعفاء میں لکھا ہے کہ وہ بدمذہب تھا۔

اس طرح ابن حزم نے اس کی تضعیف کی ہے اور اُس کی (اِسی) قبر کی آزمائش اور سوال و جواب والی روایت کو نا قابلِ احتجاج ٹھہرایا ہے۔ (میزان الاعتدال، جلد ٤، صفحہ ۱۹۲، مطبوعہ عیسیٰ البابی الحلبی)

تہذیب التہذیب

ابن معین منہال کی شان کو گراتے تھے۔ الجوزجانی نے کہا کہ وہ بدمذہب ہے۔ ہر چند کہ اس کی روایتیں بہت پھیلی گئی ہیں حاکم کہتے ہیں کہ یحیٰ القطان اس کی شان گراتے تھے۔ ابوالحسن بن القطان نے کہا کہ ابو محمد بن حزم اس کو ضعیف گردانتے تھے اور اُس کی روایت کو جو دہ براء بن عازبؓ تک پہنچاتا تھا رد کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب، جلد ۱۰، صفحہ ۳۲۰)

منہال بن عمرو کے اُستاد زاذان پر جرح

شعبہ کہتے ہیں کہ میں کے الحکم سے کہا کہ آپ زاذان سے کیوں روایت نہیں لیتے۔ انہوں نے کہا کہ وہ باتیں بہت کرتا ہے اس لئے۔

ابن حبان کہا کہ **کان یخطئی کثیراً** بہت غلطیاں کرتا تھا۔(تہذیب التہذیب،جلد۳،صفحہ۳۰۳)

ابو احمد الحاکم کہتے ہیں کہ اہل علم کے نزدیک وہ مضبوط نہیں ہے۔

سلمہ بن کہیل نے کہ ابوالبختری کو میں اُس سے اچھا سمجھا ہوں۔(میزان الاعتدال،جلد۲،صفحہ۶۳)

تقریب التہذیب

فیه شیعیة''۔زاذان میں شیعت ہے۔(تہذیب التہذیب،صفحہ۱۰۵)

دراصل اسی شیعت کا اظہار اُس نے اِس روایت میں کیا ہے۔شریعتِ جعفریہ کی سب سے بڑی کتاب کافی مصنفہ کلینی کی روایت کا مضمون ملاحظہ فرما کر خود فیصلہ فرمایئے:

١٢ ـ محمد بن يحيى ، عن أحمد بن محمد بن عيسى ، عن الحسين بن سعيد ، عن القاسم ابن محمد ، عن علي بن أبي حمزة ، عن أبي بصير ، عن أبي عبدالله عليه السلام قال : إن المؤمن إذا اُخرج من بيته شيّعته الملائكة إلى قبره يزدحمون عليه حتّى إذا انتهى به إلى قبره قالت له الأرض : مرحباً بك و أهلاً أما والله لقد كنت اُحبّ أن يمشي عليّ مثلك لترينّ ما أصنع بك فتوسّع له مدّ بصره ويدخل عليه في قبره ملكا القبر وهما قعيدا القبر منكر ونكير فيلقيان فيه الرّوح إلى حقويه فيقعدانه ويسألانه فيقولان له : من ربّك ؟ فيقول : الله ، فيقولان : ما دينك ؟ فيقول : الإسلام ، فيقولان : ومن نبيّك ؟ فيقول : محمد صلى الله عليه وآله ، فيقولان : و من إمامك ؟ فيقول : فلان ، قال : فينادي مناد من السّماء صدق عبدي افرشوا له في قبره من الجنّة وافتحوا له في قبره باباً إلى الجنّة وألبسوه من ثياب الجنّة

(فوٹو: کافی کلینی،جلد۳،صفحہ۲۳۹،کتاب الجنائز)

ترجمہ:ابوبصیر ابوعبداللہ علیہ السلام (امام جعفر صادق) سے روایت کرتے ہیں کہ امام نے فرمایا کہ جب مومن کی میت اُس کے گھر سے نکالی جاتی ہے تو فرشتوں کا ازدحام ہوجاتا ہے اور وہ اُس کے ساتھ اُس کی قبر تک جاتے ہیں اور جب وہ میت قبر تک پہنچتی ہے تو قبر کی زمین اس کو خوش آمدید کہتی ہے اور وہ گویا ہوتی ہے کہ وہ اللہ مجھے اس بات سے خوشی ہوتی تھی جب تیرا ایسا کوئی مجھ پر چلتا تھا اب تو دیکھے گی کہ میں تیرے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں۔ پھر وہ اس میت کے لئے حدِ نگاہ تک وسیع ہو جاتی ہے اور قبر کے دونوں فرشتے جو قبر پر مقرر ہیں اور منکر اور نکیر کہلاتے ہیں داخل ہوتے ہیں۔ یہ دونوں اس میت میں حقویہ (دونوں کولہوں) تک روح ڈال کر اُس کو بٹھا دیتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔وہ کہتا ہے،اللہ۔پھر سوال کرتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے۔وہ جواب دیتا ہے،اسلام۔پھر دونوں فرشتے پوچھتے کہ تیرا نبی کون ہے۔وہ جواب دیتا ہے محمدﷺ۔پھر وہ (چوتھا) سوال کرتے ہیں کہ تیرا امام کون ہے۔وہ کہتا ہے کہ فلاں۔اب امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اس وقت آسمان سے ایک منادی کرنے والا آواز دیتا ہے کہ میرے بندہ نے سچ کہا۔اس کی قبر میں جنت کے فرش بچھا دو اور جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو،اور اس کو جنت کے لباس سے آراستہ کرو۔

کتنی عظیم الشان ہے یہ روایت جو بیان کرتی ہے کہ قبر میں دفن ہوتے ہی ہر مردہ زندہ ہوجاتا ہے۔ بیٹھ جاتا ہے سنتا اور سمجھتا ہے۔سوالوں کا جواب دیتا ہے۔ اِس کے مقابلے میں امام بخاری حدیث لائے ہیں کہ مُردے کا جسم گل سڑ جاتا ہے۔صرف قیامت کے دن دوبارہ بنایا جائے گا اور پھر بارگاہ الٰہی میں اس دُنیاوی جسم کے ساتھ حساب کتاب کے لیے پیش کیا جائے گا اس سے پہلے نہیں۔

باب قوله يوم ينفخ

في الصور فتأتون أفواجا زمرا حدثني محمد قال أخبرنا أبو معاوية عن الأعمش عن أبي صالح عن أبي هريرة
قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما بين النفختين أربعون قال أربعون يوما قال أبيت قال أربعون شهرا قال أبيت
قال أربعون سنة قال أبيت قال ثم ينزل الله من السماء ماء فينبتون كما ينبت البقل ليس من الإنسان
شيء إلا يبلى إلا عظما واحدا وهو عجب الذنب ومنه يركب الخلق يوم القيامة

(فوٹو)

ترجمہ۔ باب (جس دن صور میں پھونک ماری جائے گی تم لوگ فوج درفوج آ ؤ گے)... ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صور کی دو پھنکوں کے درمیان چالیس کا وقفہ ہوگا، پوچھنے والے نے کہا کہ چالیس دن کا وقفہ؟ ابو ہریرہ نے جواب دیا کہ نہیں کہہ سکتا۔ پھر کہنے والے نے کہا کہ چالیس مہینوں کا وقفہ۔ کہا کہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ پوچھنے والے نے پھر کہا، کہ کیا چالیس سال کا وقفہ۔ ابو ہریرہ نے جواب یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ لیکن، اس بات کو (رسول ﷺ) میں نے سنا ہیں کہ اس وقفہ کے بعد اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا اور لوگ اس طرح اُگ پڑے گے۔ جیسے سبزہ اُگتا ہے۔ انسان کے جسم میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو برباد نہ ہو جائے، سوائے ایک ہڈی **عَجبُ الذَنَب** کے اور اسی سے جسم انسانی کو پھر بنایا جائے گا۔ (فتح الباری، جلد۸، صفحہ ۶۸۹ _ ۶۹۰ _ ۷۳۵، بخاری مطبوعہ دھلی)

اب رہا عرضِ اعمال کا مسئلہ تو رسول ﷺ پر دُرود کے پیش کیے جانے کا قائل گروہ اپنی حمایت میں اپنی گذری ہوی دلیل کے علاوہ ایک اور دلیل لا کر کہتا ہے کہ دُرود ہی نہیں بلکہ نماز کے اندر تشہد میں پڑھا جانے والا السلام ہو یا اس سے باہر کا، نبی ﷺ تک براہ راست پہنچا دیا جاتا ہے اور اِس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو سلام کی تلاش کی گردش میں رہتے ہیں۔ جہاں کوئی سلام کا عمل ملتا ہے نبی ﷺ تک پہنچا دیتے ہیں اس میں نہ وقت کی قید ہے نہ مقام کی، اور دلیل اس کی مسندِ احمد کی یہ روایت ہے:

حدثنا عبد الله حدثني أبي ثنا وكيع وعبد الرحمن قالا ثنا سفيان
عن عبد الله بن السائب عن زاذان عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قال وكيع إن لله
في الأرض ملائكة سياحين يبلغوني من أمتي السلام

(فوٹو: مسند احمد بن حنبل، جلد۱، صفحہ ۴۴۱)

ترجمہ...... زاذان عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے اللہ کے کچھ فرشتے زمین میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں اور میری اُمت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔ (یہ امام احمد کے اُستاد وکیع کے الفاظ ہیں)۔

یہ روایت شعیہ زازان کی اپنے مخصوص عقیدہ کا اظہار ہے کہ شعیہ مومنوں کے اعمال نبی ﷺ، علیؓ اور آئمہ معصومین پر پیش ہوتے ہیں۔ تعجب ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے ہزاروں شاگردوں میں سے زاذان کے علاوہ کوئی ایک بھی اس روایت کو بیان نہ کرتا۔ اس طرح زاذان ثابت کر دیتا ہے کہ محدثین کا یہ اصول کہ دُوسری روایتوں کا صادقُ اللہجہ راوی بھی اگر کوئی ایسی روایت لائے جو اُس کے اپنے مخصوص بدعتی عقیدہ کی تائید کرنے والی ہو تو اِس کی یہ روایت رَد کر دی جائے گی بالکل صحیح ہے۔

وإن راوى مايقوّى بدعته فيُردّ على المذهب المختار۔ (نخبة الفکر، صفحہ ۷۳)

ترجمہ: اور ایسا راوی جو حدیث میں اپنے فاسد کی تائید میں روایت لائے تو اس کی یہ روایت رَد کر دی جائے گی اور صحیح مذہب برقرار رکھا جائے گا۔

اس سے پہلے رُوح کے مُردہ جسم میں لوٹائے جانے اور مُردہ کے قبر میں زندہ ہو جانے کا بیان اسی زاذان کی کرشمہ کاری تھی۔ اسی طرح یہ روایت بھی جو براہِ راست سَلام کے اعمال پہنچنے کی جگہ اللہ تعالیٰ کے بجائے نبی ﷺ کی ذات بتاتی ہے، اورقران اور صحیح حدیث بخاری کی کُھلی مخالفت کرتی ہے۔امام بخاری کی گزرتی ہوئی تشہد کی روایت نے یہ ثابت کیا ہے کہ سَلام کی دُعا اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کا نفع زمین اور آسمان کے ہر صالح بندے تک پہنچا دیتا ہے۔ زاذان نے اس طریقہ سے قرآن کریم کا یہ کُلیہ بھی ختم کر دیا کہ دُنیا والوں اور مرنے والوں کے درمیان قیامت تک کے لئے ایک آڑ ہے اور اُن کی دُعاؤں سے بے خبر ہیں۔ یہ روایت یہ بھی کہتی ہے کہ ایک وقت میں لاکھوں اور کروڑوں سلاموں کو سننا اور سمجھنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت نہیں، نبی ﷺ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔ (سورۃ المومنون، آیت ۱۰۰)

ترجمہ: سب (مرنے والوں) کے پیچھے ایک برزخ (آڑ) حائل ہے دُوسری زندگی کے دن تک۔

وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ۔ (سورۃ احقاف، آیت ۵)

ترجمہ: اور وہ ان کی دُعاؤں سے غافل ہیں۔

کیا حُسنِ اتفاق ہے کہ اس سے پہلے گذری ہوئی روایت کی طرح اِس روایت کی تائید بھی شریعتِ جعفریہ کی معتمار علیہ کتاب **کافی کلینی** کرتی ہے۔ ملاحظ فرمائیے:

﴿ باب ﴾

عرض الاعمال علی النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و الائمة علیهم السلام

۱ ـ محمد بن يحيى ، عن أحمد بن محمد ، عن الحسين بن سعيد ، عن القاسم بن محمد ، وعلي ، عن أبي حمزة ، عن أبي بصير ، عن أبي عبدالله عليه السلام قال : تعرض الأعمال على رسول الله صلى الله عليه وآله أعمال العباد[3] كل صباح أبرارها وفجارها فاحذروها ، وهو قول الله تعالى : «اعملوا فسيرى الله عملكم ورسوله[4]» وسكت

(فوٹو: کتاب الحجة الکافی للکلینی، جلد ۱، صفحہ ۲۱۹)

ترجمہ: باب: "(اعمال کا پیش کیا جانا نبی ﷺ اور آئمہ علیہ السلام پر)"...ابو بصیر کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ علیہ السلام (امام جعفر صادق) نے ارشاد فرمایا کہ نبی ﷺ پر بندوں کے اعمال ہر صبح پیش کئے جاتے ہیں۔ اچھے اعمال اور بُرے بھی۔ پس محتاط رہو۔ اس کے ثبوت میں امام اللہ تعالیٰ کے اس قول کے شروع کا حصہ پیش فرما کر...**اعملوا فسیری اللہ عملکم ور سُولُه**...خاموش ہو گئے۔

اِس روایت میں حاشیہ لکھنے والے صاحب نے اس خاموشی کی وجہ بتائی کہ سُورۃ توبہ کی اس آیت نمبر ۱۰۶ کے بعد کا فقرہ **والمؤمنون** اِس کے لئے نہیں پڑھا کہ اِس زمانہ میں آئمہ پر اعمال کے پیش کئے جانے کے عقیدہ کا اِظہار وقت کے تقاضوں کے خلاف تھا۔

دُوسری روایت

٤ ـ علي ، عن أبيه ، عن القاسم بن محمد ، عن الزيات ، عن عبدالله بن أبان الزيات وكان مكيناً عند الرضا عليه السلام قال : قلت للرضا عليه السلام : ادع الله لي ولأهل بيتي فقال : أولست أفعل ؟ والله إن أعمالكم لتعرض علي في كل يوم وليلة.

(فوٹو: کتاب الحجة الکافی للکلینی، جلد ۱، صفحہ ۲۱۹)

ترجمہ:...عبداللہ بن اَبان الزّیات جو امام الرضا کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے کہتے ہیں کہ میں نے امام سے عرض کیا کہ اللہ سے میرے حق میں اور میرے گھر والوں کے حق میں دُعا فرمائیے۔ ارشاد فرمایا کہ کیا تمہارا

خیال یہ ہے کہ میں ایسا نہیں کرتا۔ اللہ کی قسم تمہارے اعمال مجھ پر صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں۔

زاذان نے اس روایت کو لا کر صرف یہی نہیں کیا کہ دُعا کا رخ اللہ تعالیٰ کی بجائے نبی ﷺ کی طرف پھیر دیا بلکہ آگے بڑھ کر اُس نے یہ بھی بتا دیا کہ نبی ﷺ پر اعمال فوراً بغیر کسی تاخیر کے پیش کر دیئے جاتے ہیں چاہے اللہ تعالیٰ کے سامنے صرف پیر اور جمعرات کے دن پیش کیے جاتے ہوں۔ مسلم کی روایت آپ کے سامنے ہے:

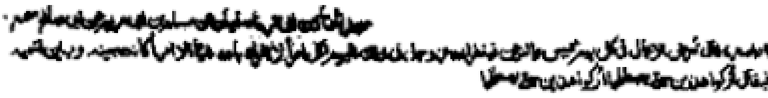

(فوٹو: صحیح مسلم، جلد ۲، صفحہ ۳۱۷، مطبوعہ دھلی)

ترجمہ: ...ابو صالح کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہؓ کو ایک بار یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اعمال ہر جمعرات اور پیر کو پیش کیے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اعمال پیش کیے جانے کے دن ہر اُس شخص کی مغفرت فرما دیتا ہے جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرایا ہو سوائے اُس شخص کے کہ اُس کے اور اُس کے بھائی کے درمیان کوئی رنجش ہو۔ ان دونوں کے لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے معاملہ کو موخر کر دو یہاں تک کہ وہ مصالحت نہ کر لیں۔

نبی ﷺ کی قبر میں حیات ثابت کرنے کے لئے ابو داؤد، نسائی اور مسندِ احمد کی گذری ہوئی روایتوں کے بعد، ایک روایت اور بھی پیش کی جاتی ہے جو یوں آئی ہے:

(فوٹو: مسند احمد، جلد ۲، صفحہ ۵۲۷)

ترجمہ: عبداللہ نے اپنے والد احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن یزید سے سنا اور انہوں نے حیاۃ سے اور انہوں نے ابو صخر سے کہ عبداللہ بن قسیط نے انہیں ابو ہریرہؓ سے خبر پہنچائی کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی جب مجھ پر سلام کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ عزوجل میری طرف میری رُوح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اُس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

عجیب بات ہے کہ یہ دلیل بھی وہی گروہ پیش کرتا ہے جو اس بات کا عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ نبی ﷺ اور دوسرے تمام لوگ وفات کے بعد قبر میں زندہ ہیں۔ جب یہ بات ہے تو سلام کے وقت نبی ﷺ کی رُوح کے لوٹائے جانے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟

سچ ہے کہ بعض حالات کے زیرِ اثر حافظہ سے بات نکل جایا کرتی ہے اور انسان کو اپنی تضاد بیانی کا احساس تک نہیں ہوتا۔

دوسری طرف بہت سے حضرات اس روایت کو پیش فرما کر کہتے ہیں کہ وقت کا کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا کہ کوئی نہ کوئی دُنیا میں نبی ﷺ پر سلام نہ پڑھ رہا ہو اس لئے آپؐ کی رُوح مبارک آپ کے جسمِ اطہر سے وابستہ رہ کر ایک حیات مسلسل کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے بات یوں بھی نہیں بنتی کیونکہ پھر رد کا لفظ بے معنی قرار پائے گا آخر ایسی دلیل کا کوئی کیا جواب دے ساتھ ساتھ یہ بات کہ دنیا میں ایک وقت میں ہزاروں، لاکھوں انسان نبی ﷺ پر سلام بھیجتے رہتے ہیں ان سب سلاموں کا جواب دینا اللہ کے علاوہ کسی اور کی طاقت سے تو باہر معلوم ہوتا ہے۔

اس کے بعد ایک نظر اس روایت کی سند پر بھی ڈال لی جائے تو مناسب ہے۔ اس روایت کا ایک راوی یزید بن عبداللہ قسیط ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ:

یزیدبن عبدا اللہ بن قسیط

ابن حبان کہتے ہیں کہ ربما اخطاء (کبھی کبھی خطا کرتا ہے)

امام مالک کہتے ہیں: **لیس ھناک** یعنی قوی نہیں۔ (تھذیب التھذیب، جلد ۱۱، صفحہ ۳۴۲ ۔ ۳۴۳)

ابن حبان ایک جگہ لکھتے ہیں **کان ردی ءَ الحفظِ**۔ ردّی (خراب) حافظہ کا مالک تھا۔ (کتاب التاریخ فی مشاھیرالتابعین لا بن حبان ۔صارم ۱۶۰)

امام رازی لکھتے ہیں کہ میرے باپ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا **لیس بقوی** (مضبوط نہیں ہے)۔ (الجرح و التعدیل، جلد ٤، ق ۲، صفحہ ۲۷٤)

ابوحاتم کہتے ہیں کہ قوی نہیں ہے۔ (میزین الاعتدال، الجزء ٤، صفحہ ٤۳۰)

یزید بن عبدا اللہ بن قسیط کے بعد اس کے شاگرد

ابوصخر حُمید بن زیاد کا حال سُنیے:

ابن ابی مریم عن یحییٰ ضعیف وکذاقال النسائی ۔(تھذیب التھذیب، جلد ۳، صفحہ ٤۱)

ترجمہ: ابن ابی مریم کہتے ہیں یحیٰی اس کو ضعیف کہتے تھے اور اسی طرح النسائی۔

ابن معین نے ضعیف کہا ہے۔ (میزان الاعتدال)

ابن عدی نے ضعیف کہا ہے۔ (الجُزء الاوّل، صفحہ ۶۱۲)

اور اس کے ساتھ ساتھ اس ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ والی روایت میں ابوصخر حُمید بن زیاد کا تفرد بھی ہے۔

اب ایسی مجروح روایت پر عقیدہ بھی بنایا جائے بہر حال ستوار نہیں ہوسکتا جبکہ اس امر میں اصحاب الحدیث کا اتفاق ہے کہ خبر واحد صحیح تک سے عمل تو ثابت ہوسکتا، عقیدہ نہیں۔

ان روایتوں کے بعد جن کو پہلے امام احمد، پھر اُن کے دونوں شاگرد ابوداوٗد اور نسائی لائے ہیں چھ مشہور کتابوں سے باہر کی ایک روایت لا کر حیات اور سماع پر اصرار کیا جاتا ہے روایت یوں ہے:

قال احمد بن ابرا ھیم بن ملحان حد ثنا العلا ء بن عمرو حد ثنا محمد بن مروان عن الا عمش عن ابی ھریرۃ ؓ قال قال رسو ل اللہ صلی اللہ علیه و سلم من صلی علّی عند قبری سمعته ومن صلی علّی نا ئیاً من قبر ی ابلغته۔ (رواہ عقیلی وقال لا اصل له)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو میری قبر کے قریب دُرود پڑھے تو میں سنتا ہوں اور جو قبر سے دور مجھ پر پڑھے وہ مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے امام عقیلی نے اس کو روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ بے اصل ہے۔

اس روایت میں محمد بن مروان صاحب الکلبی سدی صغیر کا تفرد ہے اور اس کے متعلق یہ فیصلہ ہے:

ابن معین کہا کہ ثقہ نہیں ہے۔ جریر نے کہا کذاب ہے۔ ابو حاتم رازی کہتے ہیں ذاھب

الحدیث اور متروک الحدیث ہے۔اس کی روایت بالکل نہ لکھی جائیں۔(کتاب الجرح و التعدیل،جلد ٤،قسم ١،صفحہ ٨٦)

ابن نمیر نے کہا کہ محمد بن مروان کسی لائق نہیں ہے۔یحیٰی بن معین کہتے ہیں ضعیف،غیر ثقہ ہے۔ابن شعیب الغازی کہتے ہیں کہ ہم سے امام بخاری نے کہا کہ محمد بن مروان الکوفی صاحب الکلبی کی حدیث بالکل نہ لکھی جائے۔صالح بن محمد نے کہا کہ وہ ضعیف تھا اور حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔نسائی نے کہا کہ وہ متروک الحدیث ہے۔(تاریخ بغداد از خطیب بغدادی،جلد٣،صفحہ ٢٩٢۔٢٩٣)

جریر بن عبد الحمید کہتے کہ وہ کذاب تھا۔ابن معین نے کہا کہ وہ ثقہ نہیں ہے یعقوب بن سفیان کہا ضعیف اور غیر ثقہ ہے۔صالح بن محمد کہتے ہیں کہ ضعیف تھا اور وضاع تھا (روایتیں گھڑا کرتا تھا)۔ابو حاتم نے اسے **ذاهب الحدیث** اور متروک کہا اور کہا کہ اس کی روایتیں نہ لکھی جائیں۔ابن عدی نے ضعیف کہا۔ساجی نے کہا کہ اس کی روایتیں نہ لکھی جائیں۔عبداللہ بن نمیر کہا کہ وہ کذاب تھا۔ (تہذیب التہذیب، جلد٩،صفحہ ٤٣٦۔٤٣٧)

اس کو محدثین نے ترک کردیا اور بعض نے اس پر کذاب کا الزام لگایا۔ابن معین کہتے ہیں کہ ثقہ نہیں ہے بخاری نے کہا کہ اس کی حدیثیں بالکل نہ لکھی جائیں۔(میزان الاعتدال،الجزء الرابع، صفحہ ٣٢۔٣٣)

جزرۃ کہتے ہیں کہ وہ حدیث بنایا کرتا تھا۔(خلاصہ تذہیب الکمال للخزرجی،صفحہ ٣٥٨)

اس جرح کے بعد اس روایت کا اثبات حیات فی القبر اور سماع موتیٰ کے لیے پیش کیا جانا کچھ مناسب نظر نہیں آتا۔اِن روایتوں کے بعد حیات اور سماعِ موتیٰ کا قائل گروہ امام بخاری کی حدیثوں کو استدلال کے طور پر پیش کرتا ہے اس کی پہلی حدیث قلیب بدر کی یہ حدیث ہے:

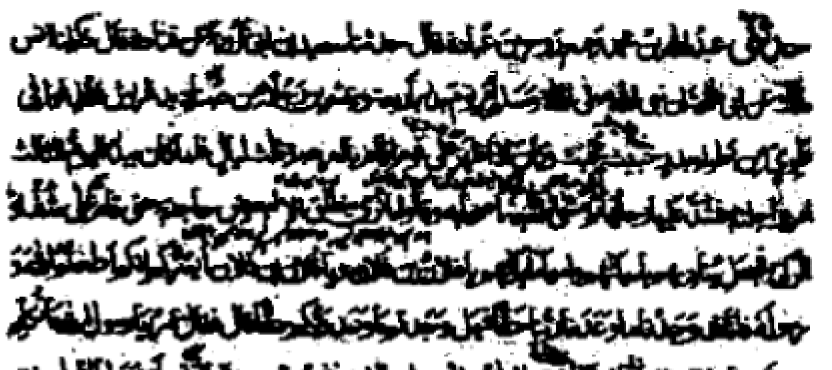

(فوٹو:صحیح بخاری،جلد٢،صفحہ ٥٦٦،مطبوعہ دھلی)

ترجمہ:قتادہ کہتے ہیں کہ ہم سے انس بن مالک نے بیان کیا انہوں نے کہا کہ ابوطلحہ نے کہا کہ جنگ بدر کے دن نبی ﷺ نے چوبیس سرداران قریش کی لاشوں کو کنویں میں پھینک دیئے جانے کا حکم دیا اور بدر کے کنوؤں میں سے ایک گندے کنویں میں پھینک دی گئیں۔آپؐ کا قاعدہ تھا کہ جب آپؐ کسی قوم پر غالب آجاتے تھے تو وہاں تین دن قیام فرماتے تھے۔جب بدر کے مقام پر تیسرا دن آیا تو آپؐ نے حکم دیا اور آپؐ کی اُونٹنی پر کجاوہ کس دیا گیا۔پھر آپ پیدل روانہ ہوئے اور آپؐ کے اصحابؓ آپؐ کے ساتھ ساتھ چلے اور انہوں نے کہا کہ ہمارا خیال یہ تھا کہ آپؐ اپنی کسی ضرورت کے لئے جارہے ہیں۔یہاں تک کہ آپؐ کنویں کے کنارے کھڑے ہوگئے اور اُن مشرکوں کو اُن کے اور اُن کے باپوں کے نام سے آواز دینے لگے کہ اے

فلاں ابن فلاں، اے فلاں ابن فلاں ! کیا تم کو یہ بہتر نہیں معلوم ہوتا کہ تم نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم سے جو ہمارے رب نے وعدہ کیا تھا وہ ہم نے سچا پایا۔ کیا تم نے بھی وہ وعدہ سچا پایا، جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا۔ ابو طلحہ نے کہا کہ اُس وقت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ نبی ﷺ جسد بے روح سے کب خطاب کیا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میری بات کے تم اُن سے زیادہ سُننے والے نہیں ہو۔ قتادہ (اس روایت کے راوی۔ انسؓ کے شاگرد) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان مقتولین کو زندگی بخش دی تا کہ وہ نبی ﷺ کا کلام سُن سکیں، اور نبی ﷺ کی بات ان کے لئے ذِلت وخواری، حسرت وندامت کا باعث بنے۔

اس طرح بُخاری نے اس حدیث میں قتادہ کی بات ساتھ لا کر یہ بات بتا دی کی یہ سُننا اور سُنانا نبی ﷺ کا معجزہ تھا معمول نہیں ہے۔ اس کے بعد بخاری عائشہؓ کی حدیث لا کر ثابت کرتے ہیں کہ یہاں سماع سے علم مُراد ہے سُننا نہیں۔

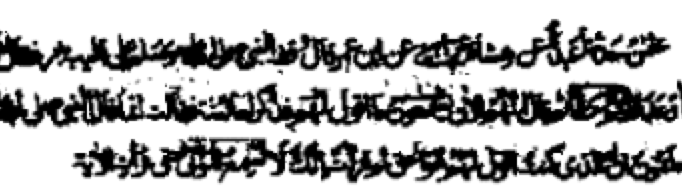

(فوٹو: صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۵۶۷، مطبوعہ دھلی)

ترجمہ: ...ہشام اپنے والد عروۃ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے کہا کہ رُسول اللہ ﷺ قلیب بدر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم نے (اے کافرو!) اپنے رب کا کیا ہوا وعدہ سچا پایا؟ پھر نبی ﷺ نے فرمایا کہ اِس وقت میں جو کہہ رہا ہوں وہ اُس کو سنتے ہیں۔

جب ابن عمرؓ کے اِس قول کا ذکر عائشہؓ سے کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے تو صرف یہ کہا تھا کہ اُن لوگوں کو اِس وقت علم ہو گیا ہے کہ میں جو اُن سے کہا کرتا تھا حق تھا۔ پھر عائشہؓ نے اپنی بات کی شہادت میں یہ آیت پڑھی آخر تک پڑھی:

اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِيۡنَ ۔ (سورۃ النّمل، آیت ۸۰)

ترجمہ: یعنی تم مُردوں کو نہیں سُنا سکتے اور نہ اُن بہروں کو سُنا سکتے ہو جو پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے ہوں۔

امام بخاری نے قلیب بدر کے واقعہ کی مختلف حدیثیں لا کر ثابت کیا کہ اس واقعہ میں سماع سے عبداللہ بن عمرؓ نے سننا مراد لیا ہے اور ان کا کہنا یہ تھا کہ قلیبِ بدر کے مقتولین نے اُس وقت سُنا اور یہ سُننا نبی ﷺ کا ایک معجزہ تھا اور عائشہؓ یہاں سے سُننے **عِلم** مراد لیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ **اسمعُ** (زیادہ سُننے والے) سے مراد **اَعلَمُ** ہے (زیادہ جاننے والے ہیں) اور اس کی تائید انہوں نے قرآن سے کی۔

معلوم ہوا کہ اس واقعہ میں جو اختلاف ہے وہ خاص قلیب بدر کے واقعہ میں ہے کسی اور کی حیات اور سماع میں نہیں اور عائشہؓ جہاں بھی ابنِ عمرؓ کی بات سے اختلاف کرتی ہیں اِسی قلیب بدر کے واقعہ کا ذکر کرتی ہیں دُوسرے مُردوں کے سُننے بارے میں نہیں۔ اور ابنِ عمرؓ کو مرنے والوں کی حیات اور سماع کے بارے میں عائشہؓ سے اختلاف ہو کیسے سکتا تھا جب ان کے سامنے وفاتِ نبوی ﷺ کے موقع پر اُن کے والد عمرؓ بن خطاب اور عائشہؓ کے والد (ابو بکرؓ) کے درمیان حیاتِ نبوی ﷺ کے بارے میں اختلاف کے بعد سارے صحابہؓ کا اجماع ہو گیا تھا اور سب نے مان لیا تھا کہ نبی ﷺ کی وفات ہو گئی ہے، اب وہ اِس دنیا میں زندہ نہ ہوں گے۔

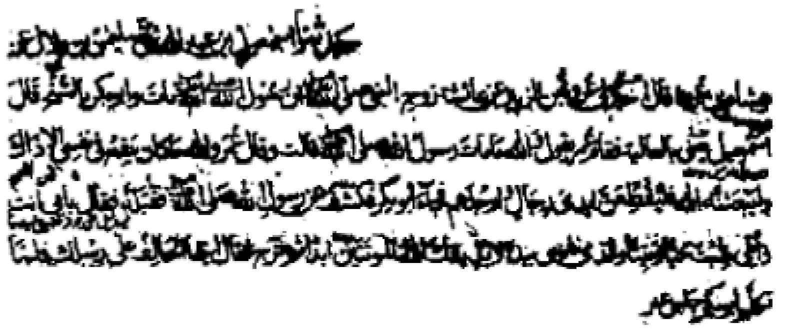

(باب:مرض النبیؐ ووفاۃ،نمبر ۵۵۰،کتاب المغازی)

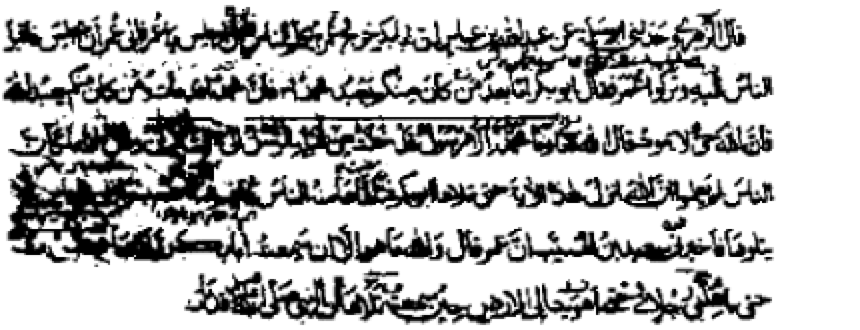

(کتاب الا نبیاء /مناقب باب ۳۸۷ مناقب ابی بکر)

ترجمہ۔......ہشام کہتے ہیں کہ مجھ سے عروۃ بن الزبیر نے کہا اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے سنا کہ جو نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ تھی کہ رسول ﷺ کی وفات اس وقت ہوئی جب حضرت ابو بکرؓ السنح کے مقام پر تھے۔ اسماعیل روای کہتا ہے یعنی علیہ میں۔ اس وقت عمرؓ کھڑے ہوئے اور یہ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم نبی ﷺ کی وفات نہیں ہوئی۔ عائشہؓ کہتی ہیں عمر نے کہا کہ اللہ کی قسم میرے ذہن میں یہ بات آئی۔ اور عمرؓ نے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالی آپؐ کو پھر ضرور زندہ کرے گا۔ اور آپؐ لوگوں کے (منافقوں کے جو خوشیاں منا رہے تھے) ہاتھ اور پیر ضرور کاٹ ڈالیں گے۔ پھر ابو بکرؓ آئے اور انہوں نے نبی ﷺ سے چادر ہٹائی اور آپؐ کے چہرے کو بوسہ دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، زندگی اور موت دونوں میں آپ پاکیزہ رہے۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہیں، اللہ آپ کو دو موتوں کا مزہ نہ چکھائے گا۔ پھر وہ باہر نکل گئے اور عمرؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے قسم کھانے والے اتنی تیزی نہ کر۔ جب ابو بکرؓ نے لوگوں سے بات کرنا شروع کی تو عمرؓ بیٹھ گئے۔

...الزہری کہتے ہیں کہ ابو سلمہ نے مجھ سے بیان کیا کہ عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ ابو بکرؓ باہر نکلے اور عمرؓ لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ عمر بیٹھ جاؤ، مگر عمرؓ نہ بیٹھے۔ اب لوگوں نے ابو بکرؓ کی طرف توجہ کی اور عمرؓ کو چھوڑ دیا۔ حمد وثناء کے بعد ابو بکرؓ نے کہا کہ سن رکھو کہ تم میں سے جو محمد ﷺ کی بندگی کرتا تھا اُسے معلوم ہو کہ محمد ﷺ تو وفات پا گئے، اور جو اللہ کا پجاری تھا تو اللہ تعالی زندہ ہے، اُسے موت نہیں۔ پھر کہا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْخَلَتْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ أَفَاِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَا بِكُمْ؟ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّاللّٰهَ شَيْئاً،وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰا كِرِيْنَ ۔(سورۃ آل عمران،آیت ۱۴۴)

ترجمہ: یعنی محمد اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ﷺ ہے ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر گئے ہیں پس کیا اگر یہ مر جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو تم الٹے پیروں پھر جاؤ گے، اور جو الٹے پیروں پھر جائے وہ اللہ تعالی کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ اللہ تعالی اپنے شکر گزار بندوں کو جزا دے کے رہے گا۔

عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا لوگ اس آیت کے متعلق یہ جانتے ہی نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ اس کو پہلے نازل کر چکا ہے یہاں تک کہ ابو بکرؓ نے اس کی تلاوت کی اور تب سارے لوگوں نے ابو بکر سے سن کر اس کو سیکھا اُس کے بعد جس شخص نے اس آیت کو سنا اس کی تلاوت کرنے لگا۔ الزہری کہتے ہیں سعید بن المسیب نے مجھے بتلایا کہ عمرؓ نے کہا کہ واللہ جس دم میں نے ابو بکرؓ کو اس آیت کی تلاوت کرتے سنا میں گھٹنوں کے بل گر پڑا اور ایسا بے دم ہوا کہ میرے پاؤں مجھے سہار نہ سکے یہاں تک کہ میں زمین کی طرف جھک پڑا، جس وقت مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اللہ کے نبی ﷺ وفات پا گئے۔

(ترجمہ:صحیح بخاری ، جلد۱ ،صفحہ ۵۱۷ ،جلد ۲ ،صفحہ ۶۴۰ ،مطبوعہ دھلی)

بخاری کی اِس حدیث پر غور کیجئے اور دیکھے کہ کتنی باتیں اس سے صاف ہو گئیں۔ ابو بکر کا یہ کہنا کہ ایک موت جو آپ کے لئے مقدر تھی وہ آ چکی اب دوسری موت کا آپؐ مزہ نہ چکھیں گے۔ یعنی آپ قبر میں زندہ کئے جائیں اور قیامت کے دن پھر موت آئے، یہ اب نہ ہو گا۔ دوسری بات یہ کہ نبی ﷺ اس دنیا میں پھر زندہ ہو جائیں گے۔ اس کا مکمل رد ہو گیا۔ ورنہ ابو بکرؓ کے لئے یہ کہنا کیا مشکل تھا کہ عمرؓ اس طرح بے قرار نہ ہو تھوڑی دیر کی تو بات ہے۔ چند گھنٹوں کے بعد قبر میں دفن ہوتے ہی نبیؐ پھر زندہ ہو جائیں گے، اور عمرؓ بھی اس طرح بیدم ہو کر گر گر نہ پڑتے۔ اس خطبہ کے بعد سارے صحابہؓ نے اس بات کو مان لیا اور اس طرح سب سے پہلا اور سب سے عظیم اجماع صحابہؓ اِس ایک مسئلہ پر اُس وقت ہوا کہ نبی ﷺ کی میت ابھی دفن بھی نہ ہوئی تھی۔ تاریخ میں ایسا اجتماع صحابہؓ کسی اور مسئلہ پر موجود نہیں ہے۔ یہی وہ عظیم مسئلہ ہے، جس کو سب سے پہلے مالک کائنات نے عمرؓ کی ذات کو شدید ترین آزمائش میں ڈال کر ہمیشہ کے لئے صاف کر دیا کہ جس کو بھی موت آ جائے وہ اس دنیا میں پھر زندہ نہیں ہو سکتا اور اس طرح قیامت تک کے لئے اس ذریعہ کو بند کر دیا جو ہمیشہ سے ظلمِ عظیم کی اصل بنا رہا ہے یعنی مرنے والے مرے نہیں ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ چاہے قلیب بدر کے موقع پر موجود نہ ہوں مگر یہ پورا واقعہ تو اُن کی آنکھوں کے سامنے گذرا تھا انہوں نے تو خود مشاہدہ کیا تھا کہ ابو بکرؓ کے خطبہ کے بعد سارے صحابہؓ اس بات کے قائل ہو گئے کہ نبی ﷺ بھی وفات پا گئے۔ نہ اس وقت (تدفین سے پہلے) زندہ ہیں اور نہ تدفین کے بعد قبر میں زندہ ہو جائیں گے۔ اس کے باوجود یہ کہنا کہ ابن عمرؓ ہر مُردہ کے سماع کا عقیدہ رکھتے تھے اور چونکہ سماع کے لیے حیات لازم ہے اس لئے وہ قبر میں حیات کے قائل تھے، انصاف کی بات نہیں ہے۔ اصل بات وہی ہے جو بخاری نے قلیبِ بدر کی حدیثیں لا کر ثابت کی ہے یعنی قلیبِ بدر کے معاملہ میں عائشہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کی رائے میں صرف یہ اختلاف ہے کہ عائشہؓ کہتی ہیں کہ قلیبِ بدر کے مشرکوں کے متعلق **اَسمَعُ** (زیادہ سننے والے) کہنے سے مراد "علم" ہے۔ یعنی ان مشرکوں نے اب کہ اُن پر عذاب کا دور گذر رہا ہے یقینی طور پر جان لیا، اور عبداللہ بن عمرؓ کا کہنا یہ تھا کہ **اَسمَعُ** سے سننا ہی مراد ہے، مگر یہ نبیؐ کا معجزہ تھا۔ تا کہ مشرکین اور زیادہ ذلیل اور حسرت زدہ ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ معجزہ وہی ہوا کرتا ہے جو معمول نہ ہو۔ سارے مُردے قبر میں سنتے ہیں یہ اُن کی مراد نہ تھی۔ بخاری نے قتادہ کی تشریح لا کر یہی بات اور واضح کر دی اور بتا دیا کہ **اَسمَعُ** کے معنی میں ان دو باتوں کے علاوہ کوئی تیسری بات نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ یہی اُن کا عقیدہ ہے۔

آخر میں قبر میں حیات و سماع کا قائل گروہ اپنے عقیدہ کی تائید میں بخاری کی (قرع النعال) جوتوں کی چاپ سننے والی حدیث پیش کرتا ہے جو یوں ہے:

٦٧ - باب المَيِّتُ يَسمعُ خَفقَ النِّعالِ

١٣٣٨ - حدثنا عَيّاشٌ حدثنا عبدُ الأعلى حدثنا سعيدٌ قال. وقال لي خَليفةُ: حدثنا ابنُ زُرَيعٍ حدثنا سعيدٌ عن قتادةَ عن أنسٍ رضيَ اللهُ عنهُ عنِ النبيِّ ﷺ قال: «العبدُ إذا وُضِعَ في قبرِهِ وتُوُلِّيَ وذهبَ أصحابُهُ - حتى إنَّهُ ليَسمعُ قَرعَ نِعالِهم - أتاهُ مَلَكانِ فأقعَداهُ، فيقولانِ لهُ: ما كنتَ تقولُ في هذا الرَّجلِ محمدٍ ﷺ؟ فيقولُ: أشهدُ أنهُ عبدُ اللهِ ورسولُهُ. فيُقالُ: انظُرْ إلى مَقعَدِكَ منَ النارِ، أبدَلَكَ اللهُ بهِ مَقعداً منَ الجنةِ. قال النبيُّ ﷺ: فيراهُما جميعاً. وأمَّا الكافرُ - أوِ المنافقُ - فيقولُ: لا أدري، كنتُ أقولُ ما يقولُ الناسُ. فيُقالُ: لا دَرَيتَ، ولا تَلَيتَ. ثمَّ يُضرَبُ بمِطرَقةٍ من حديدٍ ضَربةً بينَ أُذُنَيهِ، فيَصيحُ صَيحةً يَسمَعُها مَن يَليهِ إلاَّ الثَّقَلَينِ».

(بخاری کتاب الجنائز،باب ۸۵۰،المیت یسمع خفق النعال)

قوله: (باب الميت يسمع خفق النعال) قال الزين بن المنير: جرد المصنف ما ضمنه هذه الترجمة ليجعله أول آداب الدفن من إلزام الوقار واجتناب اللغط وقرع الأرض بشدة الوطء عليها كما يلزم ذلك مع الحي النائم، وكأنه اقتطع ما هو من سماع الآدميين من سماع ما هو من الملائكة.

(فوٹو: فتح الباری شرح البخاری،جلد۳،صفحه۲۰۶ـ۲۰۵،اور ابن حجر کی تشریح)

باب: مُردہ جوتیوں کی چاپ سُنتا ھے

ترجمہ:..قتادہ انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب قبر میں رکھ دیا گیا اور اس کا معاملہ اختتام کو پہنچ گیا اور اُس کے ساتھی چلے گئے۔یہاں تک کہ وہ یقینی طور پر اُن کی (یعنی فرشتوں کی) جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔کہ دوفرشتے آجاتے ہیں اور اُس کو بٹھاتے ہیں اور وہ دونوں اُس سے کہتے ہیں کہ تو کیا کہتا تھا اس شخص محمدؐ کے بارے میں؟ وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کا بندہ اور رسولؐ ہے ۔اب اس سے کہا جاتا ہے کہ اپنی جہنم کی بیٹھک کی طرف دیکھ۔اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے جنت کا یہ مقام عطا فرمادیا۔نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر وہ دونوں جگہوں کو دیکھتا ہے۔ولیکن کافر یا منافق کہتا ہے کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔میں تو وہی کہا کرتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔اس سے کہا جاتا ہے کہ تو نے سچی بات نہ جانی اور نہ جاننے والوں کی پیروی کی۔پھر اس کے دونوں کانوں کے درمیان فولادی ہتھوڑے سے ایسی ضرب لگائی جاتی ہے اور وہ ایسی چیخ مارتا ہے کہ انسانوں اور جنوں کے علاوہ ہر کوئی سنتا ہے۔(ترجمہ :صحیح بخاری، صفحہ۱۷۸ ،مطبوعہ دھلی)

ابن حجر عسقلانی کی اس حدیث کی شرح کا ترجمہ

ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ بخاری کے اس باب باندھنے کہ(**المیّت یسمعُ خفق النعال**۔یعنی مُردہ جوتوں کی چاپ سنتا ہے) کے متعلق الزین بن المنیر نے کہا کہ مصنف (بخاری) کے اس مضمون کے باب باندھنے سے اُن کی مُراد یہ ہے کہ اس طریقہ کو آدابِ دفن میں اولیت حاصل ہے کہ وقار برقرار رکھا جائے ،شوروشر سے اجتناب کیا جائے اور شدت کے ساتھ پیروں کو زمین پر نہ مارا جائے جیسے کہ ایک زندہ سونے والے کے لئے ہونا چاہیے اور ایسا لگتا ہے کہ بخاری نے (نبیؐ کے الفاظ سے) یہ نکالا ہے کہ آدمیوں سے جیسا کچھ سنا جاتا ہے ویسا ہی فرشتوں سے بھی سنا جاتا ہے(یعنی اُن کے جوتوں کی آواز)۔

حدیث کی اس تشریح کو ابن حجر عسقلانی نے بخاری کی شرح فتح الباری میں سب سے پہلے ذکر کیا ہے۔الفاظِ حدیث بھی اس کی تائید کرتے ہیں کیونکہ دفن کرنے والے دفن کر کے جاچکے ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ وقت آجاتا ہے کہ مردہ، فرشتوں کے جوتوں کی چاپ سنتا ہے(انسانوں کے جوتوں کی نہیں)

الفاظ یہ ہیں:

العبد اذا وضع فی قبرہ و تولی و ذھب اصحابہٗ۔ حتیّٰ انہ لیسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان۔

ترجمہ: بندہ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ البتہ سنتا ہے اُن کی جوتوں کی چاپ کہ دو فرشتے اُس کے پاس آجاتے ہیں۔

بخاری حدیث کے ایسے واضح الفاظ کیسے نہ لاتے جب اُن کی لائی ہوئی قلیبِ بدر اور وفات النبی کی حدیثیں اس بات کی کھلی دلیلیں تھیں کہ نہ تو سماعِ موتی کا عقیدہ ہی صحیح ہے اور نہ حیات فی القبر کا۔ سوال و جواب، عذاب و نعیم اس قبر کی نہیں بلکہ عالمِ برزخ کی چیز ہے جو انسان کی اصلی قبر ہے۔ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کے ذریعہ انسانیت کے ایمان کا سخت ترین امتحان لیا ہے۔

حدیث کی کتابوں کی اِن روایتوں کے بعد قبر میں حیات اور سماع کو ثابت کرنے والا گروہ اب ائمہ کے اقوال سے دلیل لاتا ہے اور کہتا ہے کہ امام احمد بن حنبل صرف یہی نہیں کہ حیات اور سماع موتی کے اثبات کے لئے روایات لائے ہیں بلکہ ان کا عقیدہ بھی یہی تھا۔ ثبوت میں وہ امام احمد کی اپنی کتاب الصلوٰۃ کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں:

امام اہل سنت حضرات امام احمد بن حنبل (المتوفی ۲۴۱ھ) اپنی کتاب الصلوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

والایمان بالحوض والشفاعۃ والایمان بمنکر ونکیر و عذاب القبر والا یمان بملک الموت بقبض الا رواح ثم ترد فی الا جساد فی القبور فیسألون عن الایمان والتوحیدا ہ۔ (کتاب الصلوۃ، صفحہ ٤٥، طبع قاھرہ) (تسکین الصدور، صفحہ ٦٥، مصنفہ ابوزاھد سرفرازخان صفدر)

ترجمہ: حوض کوثر، شفاعت، منکرونکیر، عذاب قبر، ملک موت کے ارواح کو قبض کرنے، پھر ارواح کے قبروں میں جسموں کی طرف لوٹائے جانے پر ایمان ضروری اور اس پر بھی ایمان لانا لازم ہے کہ قبر میں ایمان و توحید کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ سماع اور حیات فی القبر کے اثبات کی روایتیں ان کے سارے بڑے بڑے شاگرد، امام ابوداؤد اور امام نسائی وغیرہ سب لائے ہیں۔ صرف اُن کے دو شاگردوں، بخاری اور مسلم نے ایسا نہیں کیا۔ اور یوں بھی یہ ایک فروعی مسئلہ ہے اور بخاری تو یہاں تک گئے ہیں کہ انہوں نے کسی حدیث کو بھی حدثنی یا اخبرنی احمد بن حنبل کہہ کر صحیح بخاری میں درج نہیں کیا۔ ایک حدیث جس میں انہوں نے امام احمد کا ذکر کیا ہے۔ وہ بھی مغازی کی تعداد کے بارے میں ہے لیکن وہاں بھی وہ اپنے اور امام احمد کے درمیان احمد بن الحسن کا واسطہ لائے ہیں اور دوسری معلق روایت جس کو کتاب اللباس میں نبی ﷺ کی انگوٹھی کے بارے میں لا کر یہ کہا ہے کہ **وقال ابو عبداللہ و زانی احمدہ** بھی مشکوک ہے۔ کیونکہ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ احمد، احمد بن حنبل نہیں ہوسکتے کوئی اور احمد ہونگے کیونکہ مسند احمد میں یہ روایت موجود نہیں ہے۔ یہ حال ہے بخاری کا، ان کی بات سے کیا ہوتا ہے۔ ہاں کسی کے پاس فقہ کے کسی بڑے امام کا کوئی قول یا عمل ہو تو وہ اس کو پیش کرے اس کے جواب میں سماع اور حیات فی القبر کا انکاری علماء کا گروہ کہتا ہے کہ قرآن اور حدیث کے صاف اور صریح بیان کے بعد ہم کسی کے قول کی ضرورت محسوس نہیں کرتے مگر آپ کے تقاضہ سے مجبور ہو کر کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا عقیدہ اور مسلک عدم سماع موتی اور عدم حیات فی القبر کا ہے۔ ثبوت یہ ہے:

رای الامام ابو حنیفة من یأتی القبور لا هل الصلاح فیسّلم ویخاطب ویتکلم ویقول یااهل القبور هل لکم من خبروهل عندکم من اثرٍ انی اتیتکم ونادیتکم من شهورٍ ولیس سوالی الاّ الدعاءَ فهل دریتم ام غفلتم فسمع ابوحنیفة بقولٍ یخاطبه بهم۔ فقال هل اجابوالك؟ قال لافِقال له، سحقًا لك وتربت یداك۔ کیف تُکِمُ اجساداً لا یستطیعون جوابًا ولا یملکون شیئًا ولا یسمعون صوتًا وقرء ومااانت بمسمع من فی القبور۔ (غرائب فی تحقیق المذا ھب و تفھیم المسائل ،صفحه۹۱۔۱۷۲، محمد بشیر الدّ ین)

ترجمہ:امام ابوحنیفہ نے ایک شخص کو کچھ نیک لوگوں کی قبروں کے پاس آکر سلام کرکے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے قبر والو!تم کو کچھ خبر بھی ہے اور کیا تم پر اس کا کچھ اثر بھی ہے کہ میں تمہارے پاس مہینوں سے آرہا ہوں اور تم سے میرا سوال صرف یہ ہے کہ میرے حق میں دُعا کردو۔ بتاؤ تمہیں میرے حال کی کچھ خبر بھی ہے یا تم بالکل غافل ہو۔ابو حنیفہ نے اس کا یہ قول سُن کر اس سے دریافت کیا کہ کیا قبر والوں نے کچھ جواب دیا؟وہ بولا نہیں دیا۔امام ابوحنیفہ نے یہ سُن کر کہا کہ تجھ پر پھٹکار۔تیرے دونوں ہاتھ گرد آلو دھو جائیں تو ایسے جسموں سے کلام کرتا ہے جو نہ جواب دے سکتے ہیں اور نہ وہ کسی چیز کے مالک ہی ہیں اور نہ آواز ہی سُن سکتے ہیں۔پھر ابُو حنیفہ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَمَا اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ۔ (سورۃ فاطر،آیت ۲۲)

ترجمہ: کہ اے نبیؐ تم ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں کچھ نہیں سُنا سکتے۔

اور حنفی فقہ کی ساری معتبر کتابوں میں بھی یہی لکھا ہوا ہے کہ مُردے نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں مثلاً:

و کذٰلك الکلا م والدّ خو ل لا نَ المقصو د من الکلام الا فها م والموت ینا فیه ۔ (ھدایہ،جلد۱،صفحه ۴۸۴)

ترجمہ:اِسی طرح اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں تم سے کلام نہ کروں گا۔

یا یوں کہ میں تمہاری ملاقات اور زیارت کو نہ آؤں گا،پھر مَر جانے کے بعد اس کی لاش سے اس نے کلام کیا یا قبر کی زیارت کی تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ کلام سے مقصود سمجھانا ہوتا ہے اور موت اِس سے روک دیتی ہے۔(شا می، جلد۳، صفحه ۱۸۰)

ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں بھی اسی طرح ہے۔

اذاحلف لا یکلّمه اقتصر علی الحیا ۃ فلو کلّمه بعد الموت لا یحنث لا نَ المقصود منه الا فهام و الموت ینا فیه لا نه لا یسمع ولایفهم۔ (فتح القدیر،جلد ٤ ،صفحه ۱۰۰ ،سطر۲)

ترجمہ:اگر کسی نے یوں قسم کھائی کہ میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا تو یہ زندگی کے ساتھ محدود ہے۔پس اگر بعد موت (لاشہ سے) کلام کیا تو قسم نہ ٹوٹے گی اس لئے کہ کلام سے مقصود سمجھانا ہوتا ہے اور موت اس سے روک دیتی ہے کیونکہ میّت نہ سن سکتی ہے اور نہ سمجھ سکتی ہے۔

اسی طرح یہ علم کلام اور فقہ کا اصُول ہے کہ:

لا نزاع ان المیّت لا یسمع۔ (شرح المقاصد،جلد۲،صفحه ۳۳، شرح

(الموافق، جلد ٤، صفحہ ١٦٣)

ترجمہ: اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں کہ میت قوت سماع سے قطعی محروم ہے۔

رہا اس بات کا شکوہ کہ بخاری نے امام احمد بن حنبل کے ساتھ مناسب رویہ کیوں اختیار نہیں کیا تو ہم اس بات میں اپنے آپ کو معذور پاتے ہیں یہ تو صرف امام بخاری کی ذمہ داری ہے اور وہی اس کے لئے جواب وہ ہیں لیکن اس بات کو ہم بہر حال ماننے پر تیار نہیں ہیں کہ سماع اور حیات فی القبر کا مسئلہ فروعی مسئلہ ہے۔ یہ تو ایسی عظیم، اصلی اور جوہری بات ہے کہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب کو اس کے بیان سے بھر دیا ہے اور نبی ﷺ کی وفات پر اُس نے دوسب سے بڑے وَلیوں کے درمیان اسی ایک مسئلہ پر اختلاف برپا کروا کے ہمیشہ کے لئے اِس پر اجماع کروادیا ہے کہ اللہ کے آخری نبی ﷺ بھی وفات کے بعد نہ دُنیا میں زندہ ہیں اور نہ قیامت تک زندہ ہوسکیں گے، اور یہی وہ ایک بات ہے جس میں اللہ تعالی نے عمرؓ کی شخصیت کو شدید ترین آزمائش میں ڈال کر اپنے اس محبوب بندہ کے خیال کو غلط ثابت کر دکھایا جس کی باتوں کی وہ ہمیشہ تائید کیا کرتا تھا۔

اس ساری افہام و تفہیم کے بعد بھی معاملہ ختم نہیں ہوتا اور حیات و سماع کا اقراری گروہ ابن تمیمہ، ابن قیم، ابن کثیر اور ابن حجر اور بعد کے سارے بڑے بڑے لوگوں کے اقوال پیش کر کے ان کا جواب مانگتا ہے اور کہتا ہے کہ تم نے اس شخص کی بات نہ مانی جس نے معتصم کے زمانہ (۲۲۰ ہجری) میں کوڑے کھائے مگر خلقِ قرآن کے معاملہ میں اپنی بات پر جما رہا۔ اب اس شخص کی بات کا تمہارے پاس کیا جواب ہے جس نے اتحادیوں کے مسائل کے سلسلے میں زندگی کا بڑا حصہ زنداں کی نذر کر دیا اور آخر کار اسی میں موت سے ہم کنار ہوا۔ اپنی ہر تصنیف میں اس نے ان روایتوں کی توثیق کی ہے جن کو آج مجروح اور منکر قرار دیا جا رہا ہے اور پورے زور کے ساتھ اس نے ثابت کیا ہے کہ سماع اور حیات فی القبر کا عقیدہ بالکل صحیح ہے۔ مثال کے طور پر:

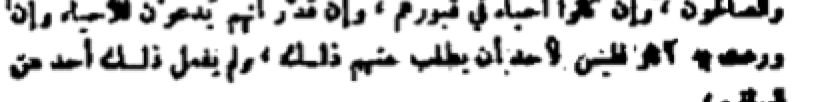
وكذلك الأنبياء
والصالحون، وإن كانوا أحياء في قبورهم، وإن قدر أنهم يدعون للأحياء وإن
وردت به آثار فليس لأحد أن يطلب منهم ذلك، ولم يفعل ذلك أحد من
السلف،

(فوٹو: التوسل والوسيلہ، صفحہ ١٣٦، مصنّفہ ابن تمیمہ، منشورات الکتب الاسلامی)

ترجمہ: اور اسی طرح (فرشتوں کی طرح) انبیاء اور صالحین کا معاملہ ہے ہر چند کہ وہ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور یہ بھی مقدر کر دیا گیا ہے کہ وہ زندوں کے لئے دعائیں کریں اور اس بات کی تصدیق میں روایتیں بھی آئی ہیں مگر کسی کے لئے اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اُن سے کچھ طلب بھی کرے اور سلف میں سے کسی ایک نے بھی ان سے کچھ طلب نہیں کیا۔

فأما استماع الميت للأصوات من القراءة وغيرها : فحق ، لكن الميت ما بقي يثاب بعد الموت على عمل يعمله هو بعد الموت من استماع أو غيره . وإنما ينعم أو يعذب بما كان قد عمله في حياته هو ، أو بما يعمل غيره بعد الموت من آثره ، أو بما يعمل به كما قد اختلف في تعذيبه بالنياحة عليه . وكما ينعم بما يهدى إليه ، وكتنعيمه بالدعاء له ، وإهداء العبادات المالية بالإجماع . وكذلك قد ذكر طائفة من العلماء من أصحاب أحمد وغيرهم ونقلوه عن أحمد ، وذكروا فيه آثارا : أن الميت يتألم بما يفعل عنده من المعاصي ، فقد يقال أيضاً : إنه يتنعم بما يسمعه من القراءة وذكر الله

(فوٹو: اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ،صفحہ ۳۷۹،مطبوعہ المکتبہ السلفیہ)

ترجمہ: پس مُردہ کا قرآن کی قرأت اور دُوسری آوازوں کا سُننا تو بالکل حق ہے لیکن مُردہ کو موت کے بعد اس قرآن کی قرأت وغیرہ سننے کا ثواب نہیں ملتا اس کو تو انعام اور عذاب صرف اُس عمل کا ملتا ہے جس کو اُس نے خود اپنی زندگی میں کیا تھا...اور اسی طرح امام احمد بن حنبل کے مسلک اور دُوسرے مسلکوں کے عُلماء کے ایک گروہ نے کہا ہے اور انہوں نے یہ مسلک احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے اور انہوں نے اس بات کی تائید میں روایتیں بیان کی ہیں کہ مُردہ کو تکلیف پہنچتی ہے اگر اُس کے پاس گناہ کی باتیں کی جائیں اور اگر وہ قرآن کی قرأت سُنے یا اس کے پاس اللہ کا ذکر کیا جائے تو خوش ہوتا ہے۔

اور

ولا يدخل في هذا الباب ما يروى من : أن قوما سمعوا رد السلام من قبر النبي صلى الله عليه وسلم أو قبور غيره من الصالحين . وأن سعيد بن المسيب كان « يسمع الأذان من القبر ليالي الحرة » ونحو ذلك .
فهذا كله حق ليس مما نحن فيه

(فوٹو :اقتضاء الصراط امستقیم لابن تیمیہ ،صفحہ ۳۷۳)

ترجمہ:اس باب میں (کہ سلف میں سے کسی نے قبر کے پاس دُعا کرنے کی اجازت نہیں دی ہے) یہ بات داخل نہیں ہے کہ ایک گروہ نے نبی ﷺ اور دُوسرے صالحین کی قبروں سے سلام کا جواب سُنا ہے اور یہ کہ سعید بن المسیّب الحرۃ کے واقعہ کی راتوں میں قبر نبی ﷺ سے اذان کی آواز سُنا کرتے تھے اور اسی طرح کے دُوسرے واقعات بھی ہیں تو ہر چند کہ یہ باتیں حق ہیں لیکن یہاں ہم یہ بیان نہیں کر رہے ہیں۔

وأما سؤال السائل هل يتكلم الميت في قبره ؟ فجوابه أنه يتكلم وقد يسمع أيضا من كلمه كما ثبت في الصحيح عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال (إنهم يسمعون قرع نعالهم)

(فوٹو:فتاوی ابن تیمیہ [illegible])

ترجمہ:اور سائل کا یہ سوال کہ کیا مُردہ قبر میں کلام بھی کرتا ہے تو جواب یہ ہے کہ ہاں وہ کلام کرتا ہے اور اسی طرح سُنتا بھی ہے جب اس سے کوئی دُوسرا کلام کرے جیسے صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مُردے جوتوں کی چاپ بھی سنتے ہیں۔

پھر:

و استفا ضت الا ثار بمعرفة الميّت اهله و با حوال اهله و اصحا به فى الدنيا وان ذٰلك يعرض عليه وجاء ت الآ ثاربانه،يرى وبانه يدرى بما يفعل عنده فَيَسرُّ بما كان حسناً و يتأ لم بما كان قبيحا اهله ۔ (فتاوىٰ ابن تيميه ،جلد٤، صفحه٤٤٦ ا_٤٤٧)

مشہوراور مُستفیض احادیث سے یہ ثابت ہے کہ مُردہ اپنے اہل وعیال اور دوستوں کے احوال کو جانتا ہے جواُن کو دُنیا میں پیش آتے ہیں اور یہ حالات اس پر پیش کئے جاتے ہیں اور احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ دیکھتا بھی ہے۔اور جو کچھ اس کے پاس کیا جاتا ہے اس کو جانتا بھی ہے۔اگر وہ کاروائی اچھی ہوتو اس سے خوش ہوتا ہے اور اگر وہ بُری ہوتو اس کو اس سے رنج پہنچتا ہے۔(سماع الموتیٰ،صفحه٢٨، مصنّفه صفدر صاحب)

اِن ساری باتوں کے جواب میں قبر کے اندر زندگی کا انکار کرنے والا علماء کا گروہ کہتا ہے کہ یہ ساری باتیں وہی تو ہیں جن کا جواب پہلے دیا جاچکا ہے صرف اِس آخری فتوئی میں دو باتیں نئی ہیں جن کا جواب ضروری ہے۔پہلی بات یہ کہ مُردہ اپنے زندہ عزیزوں اور دوستوں کے حالات سے باخبر رہتا ہے اور ان کے اعمال اس پر پیش کئے جاتے ہیں تو اس کے متعلق صرف یہ کہنا ہے کہ اس عقیدہ کے لئے آپ حضرات نے مسند احمد کی ایک ایسی روایت پر اعتماد کیا ہے جس میں مجہول راوی تک موجود ہے۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي ثنا عبد الرزاق ثنا سفيان عمن سمع أنس بن مالك يقول قال النبي صلى الله عليه وسلم إن أعمالكم تعرض على أقاربكم وعشائركم من الأموات فإن كان خيرا استبشروا به وإن كان غير ذلك قالوا اللهم لا تمتهم حتى تهديهم كما هديتنا

(فوٹو:مسند احمد،جلد٣،صفحه١٦٥_١٦٤)

ترجمہ:...سفیان نے اُس شخص سے روایت کی جس نے انس بن مالکؓ سے سُنا تھا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بے شک تمہارے اعمال تمہارے وفات شدہ عزیز واقارب پر پیش کئے جاتے ہیں اگر وہ اعمال اچھے ہوتے ہیں تو یہ وفات پائے ہوئے لوگ خوش ہوتے ہیں اور اگر ایسے نہیں ہوتے تو دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ اُنہیں ہدایت عطا کئے بغیر موت سے ہم کنار نہ کرنا جیسے تو نے ہمارے ساتھ کیا تھا۔

اس روایت کے سلسلہ میں قرآن اور حدیث کے ارشادات اور اِس روایت کی حیثیت دُنیا کے سامنے ہے یہ ایسی روایت ہے جس میں یہ تک نہیں بتایا گیا کہ انس مالک رضی اللہ عنہ سے سُننے والا کون ہے۔

اِس کے بعد اپنی حمایت میں یہ حضرات تفسیر ابن کثیر کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں:

وفي هذا الباب فيه آثار كثيرة عن الصحابة ، وكان بعض الأنصار من أقارب عبد الله بن رواحة يقول : اللهم إني أعوذ بك من عمل أخزى به عند عبد الله بن رواحة ، كان يقول ذلك بعد أن استشهد عبد الله

(فوٹو: تفسیر ابن کثیر،جلد٣،صفحه٤٣٩)

ترجمہ: اور اس باب میں (مردوں پر زندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں) صحابہؓ کے بہت سے آثار ہیں مثلاً عبداللہ بن رواحہؓ (شہید موتہ ٨ھ) کے بعض انصاری عزیز دار دُعا کرتے تھے کہ اے اللہ میں تجھ سے ایسے عمل سے جو مجھے عبداللہ بن روحہؓ کے پاس شرمندہ کرے پناہ مانگتا ہوں اور یہ اُس وقت کی دُعا ہے جب عبداللہ بن رواحہؓ شہید ہو چکے تھے۔

ابن تیمیہ کی پیش کردہ مُردہ کے اپنی زیارت کو آنے والے کو پہچاننے کی اس روایت میں دوسری بات یہ بھی ہے کہ وہ سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔اس کے لئے ابن تیمیہ اور ابن قیم کے پاس یہ دلیل ہے:

من حدیث ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہُ عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ما من رجل یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہُ فیسلم علیہ اِلا عرفہُ وردَ علیہ السلام اھ(کتاب الروح صفحہ ۱۳ والجامع الصغیر صفحہ ۱۵۱ جز ۲)

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا وہ جب بھی اسے سلام کہتا ہے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے (فوٹو صفحہ ۱۹۸ سماع الموتی۔مصنفہ سرفراز صفدر صاحب)

جواب دینے والے اس روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر اس روایت کو دلیل بنایا جاتا ہے تو اہل علم کے معروف طریقہ پر اس کی پوری سند کو کیوں پیش نہیں کیا جاتا اور صرف یہ بات کہہ دی جاتی ہے کہ پانچویں صدی ہجری کے ابن البر نے اس کی تصحیح کی ہے اور اصرار کیا جاتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ ابن عبدالبر تک اس کی پوری سند چاہتے ہو تو ان کی موتا کی شروح" الاستذکار اور التمہید " کو دیکھو۔درانحالیکہ یہ ایسی شرحیں ہیں جو کوشش کرنے کے بعد بھی دستیاب نہیں ہوتیں۔.........مزید براں حافظ ابن رجب نے کہا ہے کہ یہ روایت ہر چند کہ ابن عبدالبر اور عبدالحق الشبیلی نے اس کی تصحیح کی ہے،ضعیف ہی نہیں بلکہ منکر روایت ہے۔

وقیل فی حدیث ابن عبدالبر:ان عبدالحق وان قال اسنادہ صحیح الا ان الحافظ ابن رجب تعقبہ وقال انہ ضعیف بل منکر (فوٹو روح المعانی صفحہ ۵۷ المجلد ۲۱)

ترجمہ:کہا گیا ہے کہ ابن عبدا لبر کی حدیث حالانکہ عبدالحق (اشبیلی) نے اس کی تصحیح کی ہے مگر حافظ ابن رجب نے تعقب کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہی نہیں بلکہ منکر روایت ہے۔(ترجمہ عبارت روح المعانی صفحہ ۵۷ جلد ۲۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ایک طرف اس بے سند روایت کا یہ حال ہے،اور دوسری طرف اس کی تائید میں ابو ہریرہؓ اور عائشہؓ سے منسوب جو روایتیں امام **ابن قیم** وغیرہ نے پیش کی ہیں ان کی پوری سند بیان کردی ہے۔حالانکہ ان روایتوں میں ضعفاء ، متروکین ، لیس بشیءٍ ، منکر الحدیث ،کذاب اور وضاع کی بھرمار ہے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ یہ روایت بیان کرتی ہے کہ جب کوئی شخص اپنے اس مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ دنیا میں جانتا پہچانتا تھا اور سلام کہے تو قبر والا اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔

بخاریؒ اس کے رد میں یہ کہتے ہیں کہ لوگ مُردہ کو دنیاوی قبر میں ہر وقت ہوشیار اور جاگتا ہوا مانتے ہیں حالانکہ وہ برزخ میں بھی اکثر اوقات سو رہا ہوتا ہے۔سوال و جواب کے بعد اس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ آرام سے سو جا (نَم صَالِحاً) اور پھر صرف صبح و شام ہی اسے اپنا جنت کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے۔ہر وقت وہ بیدار نہیں رہتا۔

[illegible]

(صحیح بخاری، جلد۱، صفحہ ۱۲۶)

ترجمہ:...تم میں سے ہرایک کے پاس فرشتے آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تجھے اُس شخص کے بارے میں کیا علم ہے۔ پس مومن، یا ہشام راوی نے کہا کہ یقین رکھنے والا موقن کہتا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ وہ کھلی کھلی نشانیاں اور راہِ ہدایت لے کر ہمارے پاس آئے ہیں پس ہم ایمان لائے اور ان کی پکار پر لبیک کہا۔ ہم نے ان کی پیروی اور ان کی تصدیق کی۔ اب اس سے کہا جاتا ہے کہ آرام سے سو جا۔ ہم جانتے تھے کہ تو ان پر ایمان لانے والا تھا۔

باب: میّت پر صبح شام اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ھے

[illegible]

(فوٹو: فتح الباری شرح بخاری، جلد۳، صفحہ ۲۴۳) (کتاب الجنائز، باب ۸۷۲ و صحیح بخاری، جلد۳، صفحہ ۱۸۴، مطبوعہ دھلی)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی وفات پا جاتا ہے تو اس کا ٹھکانہ صبح و شام اُس پر پیش کیا جاتا ہے اگر وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے تو جنت کا ٹھکانہ اور اگر اہل دوزخ میں سے ہو تو دوزخ کا ٹھکانہ۔ پھر کہا جاتا کہ یہ ہے تیرا وہ آخری مقام، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجھ کو جلائے (اور تو اس میں داخل ہو)۔

اس کے بعد یہ بھی کہا جاتا کہ نبی ﷺ نے قبر پر جا کر جو دعا بتائی ہے اس میں خطاب کا صیغہ یا ہی تو ہے۔ **اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَهْلَ الْقُبُوْر**۔ اگر قبر والے زندہ نہیں ہیں، اور دنیا والوں کا سلام نہیں سن سکتے تو یہ صیغہ کیوں استعمال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر اس بات کی تائید ابن کثیر کی اس عبارت سے کی جاتی ہے:

[illegible]

(فوٹو: تفسیر ابن کثیر، جلد۳، صفحہ ۴۳۹)

ترجمہ: اور شرع نے مُردوں پر سلام کا حکم دیا ہے اور اُس کو سلام کرنا جس کو شعور نہ ہو اور جو سلام کرنے والے کو نہ پہچانے۔ ایسا حکم محال ہے اور نبی ﷺ نے امت کو سکھایا ہے کہ جب وہ قبروں کو دیکھیں تو کہیں۔ تم پر سلام ہو اے اِن گھروں کے رہنے والے مومنو! ہم بھی تم سے آ کر ملنے والے ہیں انشاء اللہ۔ اللہ کی رحمت ہو ان پر جو ہم سے پہلے جا چکے ہیں اور جو تم سے پہلے جا چکے ہیں۔ اور جو ہمارے بعد آنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے

اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت طلب کرتے ہیں پس یہ سلام خطاب اور ندا ہے اور اس موجود اور حاضر کے لئے ہے جو سنتا ہے اور جس کو مخاطب کیا جا سکتا ہے، جو سمجھتا ہے اور جواب دے سکتا ہے۔ ہرچند کہ سلام کرنے والا اس جواب کو نہ سُنے۔

اس بات کا جواب دوسری طرف سے دیا جاتا ہے کہ یہاں **یا** حاضر کے خطاب کے لئے نہیں ہے بلکہ دعا کے لئے ہے جیسے ہم ہر نماز میں تشہد پڑھتے ہیں اور **اَ سَلَا مُ عَلَيكَ اَيُّهَا النَّبِیُّ** کہتے ہیں۔ یہ بھی تو خطاب کا صیغہ ہے، مگر اس سے یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ میں نبی ﷺ سے مخاطب ہوں۔ ہر ایک جانتا ہے کہ یہ نبی ﷺ کے حق میں اللہ کی بارگاہ میں ایک دُعا ہے اور اس کا نفع اللہ کے پاس سے پہنچ کے رہتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے گذر چکا ہے۔

ان سارے دلائل سننے کے بعد سماع اور قبر میں حیات کا ماننے والا گروہ کہتا ہے کہ انکاری گروہ کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ ایک طرف یہ حضرات ان لوگوں کی جرح وتعدیل کی کتابوں کو اپنی حمایت میں بھی لاتے ہیں اور دوسری طرف اُن کے عقائد کو غلط بھی کہتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ صدیاں گذر گئیں کہ دُنیائے اسلام کی اکثریت مرنے والوں کو قبر میں زندہ اور سماع کا مالک مانتی چلی آئی ہے۔ بتایا جائے کہ ایسا کیوں ہوا، اور کیوں علماء نے اس کے خلاف آواز نہ اٹھائی۔

اور آخر ابن کثیر کی تفسیر اور ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری جیسی کن دو کتابوں نے قرآن اور حدیث کی خدمت ہے۔

اس اعتراض کی ایک ایک بات کا دوسرا گروہ یوں جواب دیتا ہے کہ جن جرح وتعدیل کی کتابوں کے حوالے پیش کئے گئے ہیں وہ اِن حضرات کی اپنی کتابیں نہیں ہیں بلکہ انہوں نے سلف کی کتابوں کا جو کمیاب اور طویل تھیں، صرف اختصار پیش کیا ہے اور بس۔ باقی جہاں وہ **قُلتُ** (میں کہتا ہوں) کہہ کر عبارت لاتے ہیں وہ سلف کی جرح کی شدت کو کم کرنے یا ختم کرنے اور اپنے عقیدہ کی حفاظت ہی کے لئے ہوتی ہے۔

رہی یہ بات کہ صدیاں گزر گئیں اور لوگوں نے ان غلط عقائد کے خلاف آواز کیوں نہ اٹھائی، تو حقیقت یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایک گروہ ایسا ضرور موجود رہا ہے جس نے اِن منکر روایتوں اور ان روایتوں کے بھروسے پر عقیدہ کی عمارت تعمیر کرنے والوں پر تنقید کی ہے، مگر ان کی آوازیں ہوا میں بکھر گئیں، اور نبیؐ کے ساتھ محبت کے غلو، اور دوسرے حضرات کی بے پناہ شہرت کے زیرِ اثر ان کے ساتھ عقیدت مندی نے ایک نہ چلنے دی۔ بے اصل روایتوں کی تائید میں قرآن کریم کی محکم آیات کی تاویلیں کی گئیں۔ اور متشابہات کو اپنی حمایت میں لا ڈالا گیا۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ابن کثیر کی تفسیر اور حجر عسقلانی کی شرح نے وہ کام کیا جو کسی سے بن نہ پڑا تو اِس کا جوب یہ ہے کہ کاش! قرآن اور حدیث کو اُن کے اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا ہوتا۔

آخر میں قبر میں حیات اور عرضِ اعمال پر مصر گروہ ایک انتہائی جرات مندانہ قدم اٹھاتا ہے اور ابن تیمیہ کا فیصلہ لا کر ثابت کرتا ہے کہ عائشہؓ کا عقیدہ صحیح نہیں تھا، صحیح عقیدہ کے مالک تو احمد بن حنبل ہی تھے جو سماع اور حیات فی القبر کا اثبات کرتے ہیں اور دلیل میں ابن تیمیہ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے:

قال ابن تیمیۃؒ فی کتابالانتصار للامام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنه و انکار عائشةؓ سماع اهل القلیب الکفار معذورة فیه لعدم بلوغها النص وغیرها لا یکون معذورًا مثلها لان هذه المسئلة صارت معلومة من

الدین بالضرورۃ انتہیٰ (المنحۃ الوھبیۃ) (عبارت ابن تیمیہ (المنتحہ الوھبیہ، صفحہ ۱۳، مصنفہ علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی) (سماع الموتیٰ، صفحہ ۲۲۴، مصنفہ ابو الزاھد محمد سرفراز خان صفدر)

ترجمہ: امام ابن تیمیہؒ نے امام احمدؒ کی نصرت میں جو کتاب لکھی ہے (جس کا نام الانتصار للامام احمدؒ ہے) اس میں وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے قلیب بدر کے کفار کے سماع کا جو انکار کیا ہے وہ اس میں معذور ہیں کیونکہ وہ اس موقع پر موجود نہ تھیں اور ان کو یہ ارشاد نہ پہنچا اور دوسرے اُن کی طرح معذور نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ مسئلہ ضروریات دین کی طرح معلوم ہو گیا ہے۔

اس بات کے جواب میں دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ابن تیمیہ کی یہ عبارت کہ امّ المومنین عائشہؓ ضروریات دین تک سے ناواقف اور عقیدہ کی خرابی میں مبتلا تھیں کیونکہ وہ سماع اور حیات فی القبر کا انکار کرتی تھیں۔ اور امام احمد بن حنبل کا عقیدہ صحیح تھا جو سماع اور حیات فی القبر کے اقراری تھے ایک ایسی جسارت ہے جس کے تصور کی بھی ہم اپنے اندر سکت نہیں پاتے جواب کیا دیں گے۔ اس کا جواب تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔

ہمارے لئے تو توحید خالص ہی بس ہے اور اُس کے اثبات کے لئے قرآن کریم اور صحیح احادیث کافی ہیں۔ اسی توحید خالص کے ذریعہ اس ملت کی اصلاح بھی ممکن ہے اور ساری دنیا کی بھی اس کے علاوہ اور کوئی راہ نہیں ...

اس لئے ہمارا اعلان ہے کہ ہم عائشہؓ، امام ابو حنیفہ اور امام بخاری کے ہم عقیدہ ہیں۔ رہا کسی اور کا معاملہ تو... فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں ہے۔